ماهنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

مُدِیرمَسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا
علمی، دینی، تحقیقی و اصلاحی ترجمان

ماہنامہ
تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۱) جمادی الاول ۱۴۴۶ھ مطابق ماہ نومبر ۲۰۲۴ء شمارہ (۵)

مدیر مسئول
حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی
بانی و مہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ و صدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر
محمد صغیر قاسمی
09897855010
sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:
فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط و کتابت کا پتہ:
دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"
جامعۃ السعادۃ
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر
تحقیقاتِ اسلامی
۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریرخامہ		
اخوت اسلامی	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)
درس قرآن		
تفسیر سورہ نباء	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۵)
درس حدیث:		
دور حاضر اور علامات قیامت:	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۱۲)
مقالات ومضامین:		
وقت اور فرصت کے لمحات...	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۱۴)
نیک نیتی سے سینما بینی کا حکم	مولانا بدر الحسن القاسمی	(۱۷)
سُنَّت کی برکتیں (آخری قسط)	مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ	(۲۱)
خوارق ومعجزات اور سائنس	مولانا محمد بدیع الزماںؒ	(۲۵)
کیا حضرت عیسیٰ حنفی ہوں گے؟	مولانا عمر فاروق لوہاروی	(۳۰)
تجدُّد پسندی کا فتنہ	مولوی محمد احمد	(۳۵)
تشکیلیوں کے سوالات (قسط نمبر:۱)	مفتی محمد اکمل یزدانی	(۳۸)
فقہ وفتاوی	ادارہ	(۴۲)
افسانہ:		
ماں جی (آخری قسط)	قدرت اللہ شہاب	(۴۳)
طب وصحت		
زیتون کے فوائد	ادارہ	(۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

اخوت اسلامی

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

اسلام اپنی تعلیمات وہدایات کی بنیاد پر وہ خصوصیات وامتیازات رکھتا ہے کہ دوسرا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔اس کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کو آپس میں پیار ومحبت کے ساتھ رہنے، ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کرنے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین کرتا ہے اوران تمام امور سے بچنے کی تاکید کرتا ہے، جو آپسی تعلق کو ختم کرنے اور آپس میں دشمنی پیدا کرنے والی چیزیں ہیں۔

چنانچہ نبی اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

”عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا“ (رواہ مسلم)

(حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے، جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط رکھتی ہے۔)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَافَسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا (رواہ مسلم)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹ بات ہے اور نہ ہی تم ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب تلاش کرو اور حرص نہ کرو اور حسد نہ کرو اور بغض نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے سے روگردانی کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہوجاؤ۔)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى“ (رواہ مسلم)

(مومن بندوں کی مثال ان کی آپس میں محبت اور اتحاد اور شفقت میں جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کے سارے جسم کو نیند نہیں آئے اور بخار چڑھ جانے میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔)

یہ احادیث اور اس جیسی بیشمار احادیث ہمیں یہ ہدایات دیتی ہیں کہ ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھے اور پیار و محبت سے مل جل کر رہے۔

لیکن افسوس کہ گروہ بندی، پارٹی بازی، برادری واد، علاقائی تعصب اور نہ جانے کن کن بنیادوں پر آج ہمارا مسلم معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا ہے اور تعلق، رواداری و بھائی چارگی کی جگہ، عداوت، دشمنی، کینہ، بغض، نفرت، اور آپس میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش عام بات ہو گئی ہے۔

آج ایک مسلمان کو جتنا نقصان غیروں سے نہیں پہنچتا، اس سے زیادہ اپنوں سے پہنچتا ہے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کی جاسوسی کرتا ہے، اسے ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کے مال کو ہڑپنے کی تگ ودو کرتا ہے، اس کے کاروبار کو ختم کرنے کی سعی کرتا ہے، اسے ناجائز مقدموں میں پھنساتا ہے، اس کے کاروبار کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس سے حسد، کینہ اور بغض رکھتا ہے، اسے ستاتا ہے، اسے نیچا دکھاتا ہے۔

گویا اخلاق و معاملات تو کفار و مشرکین کے سے ہیں اور پھر شکایت کرتا ہے کہ مسلمان ذلیل ہو رہے ہیں، مسلمان پریشان ہیں اور مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اللہ تعالی کی اس پر رحمت نہیں نازل ہو رہی ہے، اللہ تعالی کی طرف سے مدد نہیں آرہی ہے۔

ضرورت ہے کہ اپنے گریبان میں جھانکا جائے، اپنے اخلاق و کردار اور اپنے معاملات کا بغور جائزہ لیا جائے کہ ہم واقعی اس لائق ہیں کہ اللہ تعالی کی خصوصی رحمت ہم پر نازل ہو اور کیا ہم صحیح طور پر کامل مسلمان ہیں اور ہم کہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں۔

یاد رہے صرف خواہشات اور آرزوں سے کوئی بات نہیں بنتی، کچھ پانے کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے۔ اگر مسلمان اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے، عزت کی زندگی جینا چاہتا ہے، اور ترقی کرنا چاہتا ہے، تو اسے خواہشات سے نکلنا ہوگا، اللہ تعالی سے رشتہ جوڑنا ہوگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہوگا، اسلامی احکامات کو مکمل طور پر قبول کرنا ہوگا۔ آپسی اتحاد و اتفاق کو مضبوط کرنا ہوگا، مسلم معاشرے میں بھائی چارگی کو فروغ دینا ہوگا، ایک دوسرے کی مدد کے لئے آگے آنا ہوگا، رسومات و بدعات کو چھوڑنا ہوگا۔

اپنے اندر ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہوگی۔ جھگڑے لڑائی اور مقدمہ بازی کی عادت کو ختم کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر عزت اور ترقی کی راہ دیکھنا سراب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ رب کریم ہم سب کو دین کے سیدھے راستے پر چلائے اور اپنی رضا والی زندگی نصیب فرمائے۔ آمین

سورۃ النباء

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝١٧ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝١٨ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ
اَبْوَابًا ۝١٩ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝٢٠ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝٢١ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ۝٢٢ لّٰبِثِيْنَ
فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝٢٣ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ۝٢٤ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ۝٢٥ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝٢٦ اِنَّهُمْ
كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝٢٧ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝٢٨ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝٢٩ فَذُوْقُوْا فَلَنْ
نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝٣٠

تشریح وتفسیر

مذکورہ نو چیزوں کے ذکر کے بعد جن کے بارے میں عام طور پر لوگوں کا ذہن یہ ہے کہ انہی چیزوں پر دنیا کا مدار ہے۔ اگر ان چیزوں سے کوئی محروم رہے تو گویا وہ دنیا میں نہیں ہے، جو دنیا میں زندہ ہے وہ ضرور ان چیزوں میں شریک ہوگا۔ اب اس پورے عالم کے لپیٹ دیئے جانے یعنی وقوع قیامت اور مومن وکافر کے درمیان فرق کیے جانے کو بیان کیا جارہا ہے:

"اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝١٧" (یقین جانو فیصلے کا دن ایک متعین وقت ہے۔) فیصلے کا دن وہ ہوگا جس میں نیک کو بد سے بالکلیہ الگ کردیا جائے کہ کسی قسم کا اشتراک واجتماع باقی نہ رہے، ہر نیکی اپنے معدن میں اور ہر بدی اپنے مرکز پر جا پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کامل امتیاز وافتراق اس دنیا میں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہاں رہتے ہوئے زمین، آسمان، چاند، سورج، رات دن، سونا جاگنا، بارش، بادل، باغ، کھیت، اور بیوی بچے تمام نیکوں اور بدوں میں مشترک ہیں۔ ہر کافر اور مسلم ان سامانوں سے یکساں منتفع ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ "یوم الفصل" ایک دن موجودہ نظام عالم کے ختم کئے جانے کے بعد ہو۔ اس کا تعین اللہ کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی) وہ دن آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں ہی کافروں کے جلد مطالبے سے جلدی نہیں کی جائے گی کہ وہ دن دنیا ہی میں لے آئیں۔

"يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝١٨" (وہ دن جب صور پھونکا جائے گا تو تم سب فوج درفوج چلے آؤ گے۔) دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور دو مرتبہ ہوگا۔ پہلے نفخہ سے سارا عالم فنا ہوجائے گا، دوسرے نفخہ سے پھر زندہ وقائم ہوجائے گا۔ یہاں اسی دوسرے نفخہ کا ذکر ہے۔ اس وقت سارے عالم کے اگلے پچھلے انسان اپنے رب کے سامنے فوج درفوج

ہونگے۔(معارف)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صور سینگ کی شکل کی ہوگی، جس میں پھونکا جائے گا۔ حضرت وھبؒ کا قول ہے کہ صور کی ساخت سفید موتی کی ہوگی، جس میں چمک شیشہ کی طرح ہوگی، ہر زوج کی تعداد کے برابر اس میں سوراخ ہونگے۔(مظہری)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم سے سچّے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، سچ فرمایا کہ قیامت کے دن حشر کے موقعہ پر لوگوں کے تین گروہ ہونگے، ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو کھانے سے سیر، سفید لباس پوش اور سواریوں پر سوار ہونگے۔ دوسرا گروہ پیادہ دوڑتا ہوگا۔ تیسرے گروہ کو گھسیٹ کر لایا جائے گا۔ نسائی، حاکم، بیہقی۔(ایضاً)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے خطیب نے ''السراج المنیر''میں، ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی دس اصناف کا حشر دس گروہوں کی صورت میں ہوگا۔ بعض کی صورت بندروں کی ہوں گی، یہ چغل خور ہونگے۔ بعض سوروں کی شکل پر ہونگے، یہ حرام خور ہونگے۔ بعض سرنگوں ہونگے، ٹانگیں اوپر، چہرے اور آنکھیں نیچے، ان کو اسی طرح گھسیٹا جائے گا، یہ سود خور ہوں نگے۔ کچھ لوگ نابینا ہونگے۔ ادھر ادھر سرگرداں ہونگے، یہ وہ لوگ ہونگے جو فیصلہ میں ظلم کرتے تھے۔ بعض گونگے بہرے اور بے عقل ہونگے۔ یہ وہ لوگ ہونگے جو اپنے اعمال پر مغرور تھے۔ بعض لوگوں کی زبانیں سینہ پر لٹکی ہونگی اور ان کے منہ سے لہو پیپ بہتا ہوگا جس سے مجمع میں تعفن پیدا ہوگا، یہ وہ علماء اور واعظ ہونگے جن کا کردار گفتار کے خلاف تھا۔ بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں کٹے ہونگے، یہ پڑوسیوں کو دکھ دینے والے ہونگے۔ بعض لوگوں کو آتشی تختوں پر صلیب دی گئی ہوگی، یہ وہ لوگ ہونگے جو حاکم سے جاکر لوگوں کی چغلیاں کھاتے تھے۔ بعض لوگوں کی بدبو مردار سے زیادہ سڑی ہوئی ہوگی، یہ وہ لوگ ہونگے جو نفسیانی خواہشات اور لذت میں مزے اڑاتے تھے اور اللہ کے مالی حق کو اپنے مالوں کے ساتھ روکے رکھتے تھے۔ اور بعض لوگوں کو تارکول کی لمبی چادریں پہنائی جائیں گی، یہ رعونت فخر اور غرور کرنے والے ہونگے۔(ایضاً)

''وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝۱۹''(اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس کے دروازے ہی دروازے بن جائیں گے۔) تاکہ فرشتے اعمال نامے لیکر اتریں اور آسمان کے اوپر لے جانے کے بعد اعمال کی جو صورت ہوئی تھی وہ ظاہر ہو، اور جنت جس کا مقام ساتویں آسمان کے اوپر ہے وہ بھی ظاہر ہو، گویا آسمان کو (جنت کے اوپر سے) یوں اٹھالیا جائے گا جیسے خوان سے سرپوش کو اٹھالیا جاتا ہے۔ پھر آسمان کے دروازے ہوجائیں گے کہ اسی راستے سے بہشت میں داخلہ ہوگا اور بہشت کی نعمت دیکھیں گے۔(تفسیر عزیزی)

''وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝۲۰''(اور پہاڑوں کو چلایا جائے گا تو وہ ریت کے سراب کی شکل اختیار کریں گے۔) یعنی پہاڑ جو آج ثبات وقرار میں بطور مثال کے پیش کئے جاتے ہیں، یہ سب اپنی اپنی جگہوں کو چھوڑ کر ریزہ ریزہ ہوکر

ریت کی طرح اڑنے پھرنے لگیں گے۔ ریت دور سے دیکھنے میں پانی کی طرح معلوم ہوتی ہے، حالانکہ حقیقت میں ریت ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ پہاڑ دور سے تو پہاڑ نظر آئیں گے، لیکن حقیقت میں ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ریت کی مانند ہونگے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ''و کانت الجبال کثیبا مھیلا'' ایک اور مقام پر فرمایا: ''و کانت ھباءً منبثا''۔

جب زمین کی میخوں کی یہ حالت ہوگی تو زمین بدرجۂ اولی درہم برہم ہوجائے گی اور دوزخ جس کا ٹھکانہ زمین کے نیچے تھا ظاہر ہوجائے گی، تاکہ آسمان کی جگہ جنت ظاہر ہو اور زمین دوزخ کی جگہ قرار پائے (نیک جنت میں ٹھکانہ پکڑیں اور بدکار جہنم میں جائیں۔ اس طرح صحیح معنوں میں) نیکوں کاروں اور بدکاروں، فرماں برداروں اور نافرمانوں کے درمیان جدائی اور علاحدگی ثابت ہوسکے گی اور جب زمین آسمان درمیان سے ہٹا دیئے گئے، تو سورج اور برسات اور دیگر نعمتیں جو کافر و مسلمان کے درمیان مشترک تھیں سب فنا ہوجائیں گی اور فرمابرداروں اور نافرمانوں کے درمیان کسی طرح کی کوئی شرکت اور برابری باقی نہیں رہے گی۔ نیک دوسری جگہ ہونگے اور برے ایک دوسری جگہ۔

خدا پر ایمان رکھنے والے نیک بندوں کو آخرت میں کن کن نعمتوں سے نوازا جائے گا اور مشرکین و منکرین خدا کیسے کیسے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اب یہاں سے اسی کو بیان کیا جا رہا ہے۔

''اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾'' (یقین جانو جہنم گھات لگائے بیٹھی ہے۔) یعنی جہنم کے پل پر عذاب اور رحمت کے فرشتے گزرنے والوں کی تاک میں لگے رہیں گے۔ عذاب کے فرشتے تو کافروں کی گھات میں رہیں گے کہ ان کو پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں اور عذاب دیں اور رحمت کے فرشتے ایمان والوں کی تاک میں ہوں گے کہ پل صراط سے گزرتے وقت مؤمنوں کو جہنم کی لپیٹ اور پل پر (دوطرفہ) لگے ہوئے آنکڑوں سے محفوظ رکھیں۔ اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم سب لوگوں کی گزرگاہ ہوگی، تمام آدمی اس پر سے گزریں گے۔ جیسا کہ آیت کریمہ ''وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا'' میں آیا ہے۔

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرما رہے تھے: صراط تلوار کی دہار کی طرح بہت تیز (اور باریک) ہوگی اور ملائکہ ایمان دار مردوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہوں گے۔ جبرئیل میری کمر پکڑے ہوں گے اور میں کہتا ہوں گا الٰہی بچا، الٰہی بچا اور پھسل کر گرنے والے اور گرنے والیاں بہت ہوں گے۔

ابن المبارک، بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت عبید بن عمیر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہنم پر صراط تلوار کی دہار کی طرح ہوگی، اس کے دوطرفہ آنکڑے اور کانٹے ہوں گے، جن کے ذریعہ لوگوں کو اچک لیا جائے گا۔ (مظہری)

''لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾'' (وہ سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔) یعنی جہنم سرکشوں کا ٹھکانا ہے اور وہ اسی میں رہیں گے۔ طاغین طاغی کی جمع ہے، طغیان سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں سرکشی۔ اور طاغی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گزر جائے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے جبکہ وہ ایمان ہی سے نکل جائے، اس لئے طاغین سے مراد اس جگہ کافر ہوں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ بدعقیدہ گمراہ مسلمانوں کے فرقے ہوں جو قرآن وسنت کی حدود

سے نکلے ہوئے ہیں، اگر چہ صراحتاً کفر اختیار نہیں کیا، جیسے روافض، خوارج، معتزلہ وغیرہ۔ (معارف)

"لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾" (جس میں وہ مدتوں اس طرح رہیں گے۔) احقاب جمع ہے حقب کی، ایک لمبے زمانے کو حقب کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حقب اَسّی سال کا ہوتا ہے، سال بارہ مہینے کا، مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ بہت سے صحابہ اور تابعین سے یہ مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سَتّر سال کا حقب ہوتا ہے، کوئی کہتا ہے چالیس سال کا، جس میں سے ہر دن ایک ہزار سال کا۔ (ابن کثیر) حضرت حسن بصریؒ نے اس کی تفسیر غیر محدود زمانہ سے کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ایک حقبہ اسّی (۸۰) سال کی مدت کا نام ہے اور ساتھ ہی سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ ان اسّی سالوں کا ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔

بہر حال نص قرآنی سے یہ ثابت ہوا کہ اہل کفر کو دوزخ میں بقدر مدت احقاب رہنا ہوگا، چونکہ احقاب کی گنتی نہیں بتائی کہ کتنے احقاب ہوں گے اور سورۂ نساء اور سورۃ الجن میں اہل کفر کی سزا بیان کرتے ہوئے "خٰلِدِيْنَ" کے ساتھ "اَبَدًا" بھی فرمایا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیات میں اہل جنت کے لیے بھی "خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا" وارد ہوا ہے۔ اس لیے اہل سنت والجماعت کے عقائد کی کتابوں میں یہ ہی عقیدہ لکھا ہے کہ جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور کفار و مشرکین جہنم میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، نہ اہل جنت کا انعام ختم ہوگا نہ اہل دوزخ کا عذاب۔ اسی لیے مفسرین نے فرمایا کہ "احقابا" کا مطلب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے ہمیشہ ایک حقبہ ختم ہوگا، تو دوسرا شروع ہو جائے گا اور مسلسل عذاب دائمی میں رہیں گے جو کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔

اذلا فرق بین تتابع الاحقاب الکثیرۃ الی مالا یتناھی و تتابع الاحقاب القلیلۃ کذلک. (روح المعانی صفحہ ۱۷: ج ۳۰)

وقال البغوی فی معالم التنزیل: قال الحسن: ان اللہ لم یجعل لاھل النار مدۃ بل قال لابثین فیھا احقابا، فو اللہ ماھو الا اذا مضی حقب دخل آخر ثم آخر الی الابد فلیس للاحقاب عدۃ الا الخلود.

(علامہ بغوی معالم التنزیل میں فرماتے ہیں کہ حضرت حسن نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں کیا ہے، بلکہ فرمایا وہ اس میں کئی احقاب رہیں گے۔ اللہ کی قسم ایک حقب گزرے گا تو دوسرا شروع ہو جائے گا۔ پھر تیسرا اسی طرح ابد تک سلسلہ جاری رہے گا، پس احقاب کی تعداد خلود ہی ہے۔) (انوار البیان)

"لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾" (کہ اس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، اور نہ کسی پینے کے قابل چیز کا ہے۔) یعنی دوزخ میں داخل ہونے والے سرکش اس میں کوئی ٹھنڈک نہ پائیں گے، نہ وہاں کی آب و ہوا میں ٹھنڈک ہوگی جو آرام دہ ہو اور نہ پینے کی چیزوں میں کوئی ایسی چیز دی جائے گی جس میں مرغوب ٹھنڈک ہو، جو ٹھنڈک عذاب دینے کے لیے ہوگی (یعنی زمہریر) جس کا بعض احادیث میں ذکر آتا ہے اس میں اس کی نفی نہیں ہے۔

"قال صاحب الروح: والمراد بالبرد ما یروحهم وینفس عنهم حر النار، فلا ینافی انهم قد یعذبون بالزمهریر"

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ٹھنڈک سے مراد وہ ٹھنڈک ہے جو انہیں راحت پہنچائے اور جہنم کی آگ سے بچاؤ کرے، لہٰذا یہ بات اس کے منافی نہیں ہے کہ انہیں جہنم میں زمہریر سے عذاب دیا جائے گا۔) (ایضاً)

"اِلَّا حَمِيمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿٢٥﴾" (سوائے گرم پانی اور پیپ لہو کے۔) اس گرم پانی کے بارے میں سورۂ محمد میں فرمایا: "وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ" (اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔)

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ وہ اس تمام عرصے میں دوزخ کے اندر پینے کی کوئی چیز نہیں چکھیں گے، جب کہ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ وہ گرم کھولتا ہوا پانی پئیں گے، "لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِیْمٍ"، اسی واسطے اس جگہ بطور استثناء کے فرمایا "اِلَّا حَمِیْمًا" مگر کھولتا ہوا پانی۔ جو ان کی انتڑیاں کاٹ ڈالے گا اور اندر کی گرمی دوگنی چوگنی کر دے گا۔ وہاں تخفیف کا تو کیا ذکر ہے۔ "وَغَسَّاقًا" وہ پیپ اور زرد پانی پئیں گے، جو دوزخیوں کے ہی جلے ہوئے ہر ہر جوڑے سے بہہ بہہ کر گڑھوں میں جمع ہوگا اور وہ پیاس کی شدت سے بے قرار ہو کر پانی سمجھ کر اس کو پی لیں گے، لیکن اس کا زہر ان کے سارے وجود کے اندر پھیل جائے گا اور ان کے اندر کو بری طرح خراب کر دے گا۔

اگر کسی کو دوزخیوں کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کے حکم پر یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ سزا جرم سے زیادہ ہے کہ ان کی دنیا کی عمر جتنی تھی اتنی ہی مدت ان کو جہنم میں رکھنا چاہئے تھا، لیکن معمولی سی عمر کے برے اعمال کے بدلے میں ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کرنا تو سراسر ظلم ہے۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے، ان کو ہمیشہ کا عذاب دینا عین انصاف ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾" (یہ ان کا پورا پورا بدلہ ہوگا۔) یعنی پورا بدلہ، ان کے اعمال کے موافق نہ کم ہوگا نہ زیادہ۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ غور و تامل کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اعمال بھی لامتناہی تھے، اس لئے سزا بھی لامتناہی ہے۔ ان کے اعمال کے لامتناہی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ حساب کی توقع نہیں رکھتے تھے (ان کی نیت یہ تھی کہ اگر ان کو لامتناہی عمر دے دی جائے تو اسی طرح زندگی گزاریں گے) موت کی وجہ سے ان کے برے اعمال کا موقوف ہو جانا ان کی ناچاری اور بے بسی کی وجہ سے ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کو عذاب کا خوف تھا، یا ثواب کی امید سے وہ برے اعمال سے رک گئے۔ یہ دونوں باتیں تو وہ شخص کرے جس کو حساب کی توقع ہو۔ چنانچہ اسی بات کو فرمایا:

"اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾" (وہ [اپنے اعمال کے] حساب کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے) یعنی ہرگز یہ لوگ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا موت آ جانے سے برے اعمال نہ کرنے کی مثال تو یہ ہوئی "عصمت بی بی بے چادری"۔ ان کے دلوں میں گناہ کی محبت اتنی کھپ چکی تھی کہ ان کی روحوں کے رگ و ریشے میں سما گئی تھی اور (روح کی) خاص طبیعت کے حکم میں ہو گئی تھی اور روح ایک ابدی چیز ہے وہ ہمیشہ رہے گی ا (اور شئی کی طبیعت اس سے جدا نہی

ہوتی۔لہذا) جب روح باقی ہے،اس کی اس خاص طبیعت کا جدا ہونا بھی محال ہے اور یہی خاص طبیعت سبب ہے (دائمی عذاب کا)لہذا جب سبب ہمیشہ رہا تو مسبب (عذاب) کے ہمیشہ رہنے میں کیا تعجب ہے۔

آخرت کے حساب سے بے اعتمادی والے اعمال صرف ان کے اعضاء وجوارح سے ہی سرزد نہیں ہوئے، بلکہ وہ اعمال بھی ہیں جو روح سے صادر ہوئے، اعضاء کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور روح کے اعمال ہمیشہ روح کے ساتھ رہیں گے،(لہٰذا ان کو دائمی عذاب عین انصاف ہے)اور روح کے اعمال بد جیسے کفر اور آیات کی تکذیب ہے، چنانچہ فرمایا:

"وَّ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾" (اور انہوں نے ہماری آیتوں کو بڑھ چڑھ کر جھٹلایا تھا۔) یعنی ہماری آیات جھٹلائیں جو سزا وجزا اور حساب پر دلالت کرتی تھیں، کیوں کہ ان کو ان کے سچے ہونے کا گمان تک نہ تھا۔اور یہ تکذیب روح کا عمل ہے بدن کا عمل نہیں ہے،لہذا یہ روح کے بدن سے جدا ہونے کے بعد برزخ میں بھی ان کے ساتھ رہا، پھر دوبارہ جب روح بدن کے ساتھ مل گئی تو عالم حشر نشر میں بھی یہ انکار روح کے ساتھ قائم رہا۔اور جیسے سخت بدمزاجی مسلسل رنج کا سبب ہوتی ہے، ایسے ہی یہ انکار بھی مسلسل عذاب کی زیادتی کا سبب ہوگا۔

اگر کسی کے دل میں یہاں یہ شبہ گزرے کہ گناہ کی محبت، انکار اور دیگر روح کے برے اعمال تو ایک مخفی چیز ہے، ایسے نہیں تھے کہ ظاہر ہوں اور جب تک کوئی گناہ ظاہری طور پر نہ ہو اس پر مواخذہ تو درست نہیں ہے، ان کے جو گناہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتے تھے وہ بدن کے اعمال ہیں، جو روح نکلنے کے بعد موقوف ہو گئے (لہذا روح کے گناہوں پر عذاب نہ ہونا چاہئے)۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ برائی کا حال حاکم کو معلوم ہونا چاہئے کسی اور کو معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، اور اس کے روح کے اعمال اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہیں، نیز اس کے خفیہ نویس یعنی کراماً کاتبین نے بھی ان کو لکھ رکھا ہے اور خود ان کے قول وفعل بھی (ان کے اعمال باطنی پر) دلالت کرتے ہیں۔چنانچہ آگے فرمایا:

"وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾" (اور ہم نے ہر ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔) یعنی ہر چیز ان کے روح و بدن کے اعمال میں سے اور قول وفعل جو ان پر دلالت کرتے تھے، ہم نے ان سب کو گن رکھا ہے، اور صرف اپنی گنتی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لکھا ہوا ہے، تا کہ قیامت تک کارکنان کو ہر وقت یاد رہے، اور جب عمل غیر متناہی ہے (جیسا کہ ثابت ہوا) تو اس کی جزا بھی غیر متناہی ہونا چاہئے،(تفسیر عزیزی) چنانچہ فرمایا:

"فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾" (اب مزہ چکھو! اس لئے کہ ہم تمہارے لیے سزا کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کریں گے۔) یعنی جیسے تم تکذیب وانکار میں برابر بڑھتے چلے گئے اور اگر بے اختیار موت نہ آجاتی تو ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے۔اب پڑے عذاب کا مزہ چکھتے رہو، ہم بھی عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے، جس میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔(تفسیر عثمانی)

ایمان والے گنہگاروں کو صرف اعضاء وجوارح کے گناہوں پر عذاب ہوگا اور وہ بھی بالآخر ختم ہو جائے گا، وجہ

اس کی یہ ہے کہ ایمان کے سبب ان کی روحیں بدی کی آلائشوں سے پاک تھیں۔ (تفسیر عزیزی)

صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں: رہے مسلمان اہل کبائر تو ان کے قیام جہنم کی انتہائی مدت میعاد دنیا کے برابر یعنی سات ہزار برس ہوگی اور ان کو حمیم نہیں پلایا جائے گا، نہ اس طرح کا کوئی اور دوسرا عذاب ہوگا۔ ابن ابی حاتم اور ابن شاہین نے حضرت علی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمام امتوں کے مؤمن اہل کبائر اگر بغیر توبہ کے مر گئے، تو ان میں سے جو لوگ جہنم میں داخل ہوں گے ان کی آنکھیں نیلی نہ ہوں گی، چہرے کالے نہ ہوں گے، شیطانوں کے ساتھ زنجیروں سے ان کو باندھا نہ جائے گا، نہ ان کے گلے میں زنجیروں کے طوق ڈالے جائیں گے، نہ ان کو حمیم پلایا جائے گا، نہ ان کو ''قطران'' کا لباس پہنایا جائے گا۔ اللہ تعالی نے ان کے اجسام کے لئے دوام جہنم حرام کر دیا ہے اور سجدہ کی وجہ سے ان کے چہروں کو آگ پر حرام کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض لوگوں کو آگ صرف قدموں تک ہی پکڑے گی، بعض کو صرف ایڑیوں تک، بعض کو کمر تک، بعض کو گلے تک، گناہوں اور عملوں کی مقدار کے بقدر آگ گرفت کرے گی، بعض اس میں سال بھر رہ کر نکل آئیں گے، سب سے لمبی مدت قیام جہنم کی ان کے لئے دنیا کی عمر کے برابر ہوگی یعنی ابتدائے آفرینش دنیا سے لے کر فنائے دنیا تک (جتنی مدت ہوگی اتنی ہی ان کے جہنم میں رہنے کی مدت ہوگی۔) الحدیث (مظہری)

اس جگہ (اہل جہنم کے دائمی عذاب کے متعلق) اکثر لوگوں کو ایک شبہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب خلاف مزاج چیز میں کوئی دوام اور ہمیشگی کے ساتھ مبتلا ہو جائے تو ہمیشگی کی وجہ سے اس کی تاثیر معلوم نہیں ہوتی اور اس سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، جیسے دق کے مریض کو گرمی سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی، (لہٰذا جہنم والے جب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، تو ایک طرح سے وہ اس کے عادی ہو جائیں گے ان کو عذاب کیسے ہوگا)؟

(۱) اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ دوام کی وجہ سے خلاف مزاج چیز کا احساس نہ ہونا وہاں ہوتا ہے، جہاں خلاف مزاج چیز ایک ہی ہو اور جہاں مختلف صورتیں ہوں وہاں ایسا نہیں ہوتا، تکلیف کا احساس باقی رہتا ہے اور جہنم میں ان کو ایک ہی طرح کا عذاب نہ ہوگا، بلکہ طرح طرح کے عذاب ہوں گے، جس کا وہ احساس کرتے رہیں گے، جیسے ''فَذُوْقُوْا'' سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو کسی تکلیف کا احساس بدن کی جلد کے واسطے سے ہوتا ہے اور دوزخیوں کی جلد جل جانے کے بعد نئی پیدا کی جائے گی اور جلد چونکہ تازہ ہوگی اس لئے اس کے اندر تکلیف کے احساس کی قوت بھی بہت قوی ہوگی، جیسے جب زخم پر نئی کھال جمتی ہے تو اس میں تکلیف کے احساس کی بہت قوت ہوتی ہے، معمولی گرمی سردی سے بھی وہ متاثر ہو جاتی ہے۔ (تفسیر عزیزی) جاری

درس حدیث

دورحاضراورعلاماتِ قیامت

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

مادیت اور شکم پروری کا فتنہ:

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَوَاللهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ۔ (البخاری، جهاد، باب الجزیة)

حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے تمہاری ناداری کا اندیشہ نہیں، البتہ اس امر کا ڈر لگا ہوا ہے کہ تمہارے لئے دنیا ایسی ہی وسیع کردی جائے گی، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ وفراخ کردی گئی تھی اور اس وقت تم بھی ایک دوسرے سے اسی طرح جلنے لگو، جس طرح وہ ایک دوسرے سے جلتے تھے اور پھر یہ تم کو اسی طرح ہلاک کردے جس طرح گزشتہ لوگوں کو اس نے ہلاک کیا ہے۔

ہر چیز کی کچھ خاصیتیں ہوتی ہیں اور جب وہ چیز کہیں آتی ہے تو اپنی خاصیتوں کے ساتھ آتی ہے۔ مال ودولت کی کثرت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو عیش وعشرت میں ڈال دیتا ہے، دولت جمع کرنے کی حرص اور بخل پیدا کردیتا ہے، ایک دوسرے سے نفرت، جلن اور حسد کی صفت پیدا کردیتا ہے اور نظروں میں دوسروں کو حقیر وکمتر کردیتا ہے۔

جب کہ اس کی کمی انسان کے اندر فروتنی، خاکساری اور انابت الی اللہ کی صفت پیدا کرتی ہے۔ جو انسان ایک طرح سے ضرورت مند رہتا ہے وہ اللہ تعالی سے دعائیں مانگتا رہتا ہے، حلال وحرام کا بھی خیال رکھتا ہے تاکہ جو کچھ سامان اس کے پاس ہے اس کی برکت ختم نہ ہوجائے۔

یاد رہے دولت فی نفسہ بُری نہیں ہے، اور کیوں کر ہوسکتی ہے؟ جب کہ اللہ تعالی نے اسے گزران زندگی کا سامان بنایا ہے، دنیا کے اکثر امور اسی سے حل ہوتے ہیں اور بغیر روپئے پیسے والا انسان کسمپرسی اور بے بسی کا شکار رہتا ہے۔ لیکن اس کی کثرت، اس میں حد سے زیادہ اشتغال اور اس کے حصول کے لئے حلال وحرام سے بے پرواہ ہوکر مشغولیت، شریعت کے نزدیک کوئی پسندیدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے، آخرت کی تیاری کے لئے یہاں جینا اور رہنا یہ تو مطلوب ہے، لیکن یہاں رہ کر صرف اسی میں مشغول ہوجانا اور آخرت کو فراموش کرکے ناز ونعمت میں پڑ جانا پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

''إِيَّاكَ وَ التَّنَعُّمَ، فَإِنَّ عِبَادَ اللهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِينَ۔ (مسند احمد:22105)

(عیش وعشرت میں پڑنے سے بچو، بے شک اللہ کے بندے عیش وعشرت میں پڑنے والے نہیں ہوتے۔)

اوپر ذکر کردہ حضرت عمرو بن عوف کی حدیث میں جس فتنے کا آپ ﷺ نے اندیشہ ظاہر کیا ہے، آج اس کا مشاہدہ کھلی آنکھوں ہر شخص کرسکتا ہے کہ افرادِ امت کس طرح حصول مال کی تگ ودو اور پھر ناز ونعمت اور عیش وعشرت میں پڑ کر آخرت سے بالکل غافل ہوتے جارہے ہیں، جس کو جس قدر دولت مل رہی ہے وہ اسے کم سمجھ کر ھل من مزید کا نعرہ لگارہا ہے۔ آج اکثر لوگوں کے نزدیک شکم پروری وتن آسانی زندگی کا اہم ترین مقصد بن گیا ہے، اور ہر شخص کا شوق یہ ہے کہ لقمہ تر اس کی لذت کام ودہن کا ذریعہ بنے۔

روپیہ پیسہ اور قارون کا خزانہ جمع کرنے کی ایک ھوڑ سی لگی ہوئی ہے، ہر شخص صرف اس کا طالب ہے کہ وہ کس قدر دولت جمع کرکے اپنے لئے اور اپنی اولادوں کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولیات اور آرائش وزیبائش کا سامان فراہم کرلے۔ اور اس کے لئے وہ اس بات سے بے پرواہ ہے کہ آنے والی دولت حلال ذریعہ سے آرہی ہے یا حرام ذریعہ سے، بس پیسہ ہو چاہے جیسا ہو۔ آج بہت سے فتنوں اور لڑائی جھگڑوں کا سبب مال دولت کی کثرت اور اس کی بہتات ہے، مالدار غریب سے نفرت کررہا ہے کہ میں تو مالدار ہوں اور غریب تو چھوٹا آدمی ہے، میں اس سے کیوں تعلق رکھوں اور غریب مالدار سے اس لئے جل رہا ہے کہ اس نے قارون کا خزانہ جمع کررکھا ہے، لیکن ضرورت کے باوجود مجھے اس میں سے کچھ نہیں دے رہا ہے۔

عدالتوں میں مقدمے بازیاں، محلوں میں جھگڑے اور آپسی اختلاف وانتشار کی، اگر آپ وجہ تلاش کریں تو یہی مال دولت کی کثرت ہوگی۔ ناز ونعمت میں پڑ کر آخرت فراموشی عام سی بات ہے، زہد وقناعت، ورع وتقویٰ اور اخلاص وایثار جیسے اخلاق وفضائل اور ملکات کا نام ونشان شاید کہیں جائے۔ اب یہ سب باتیں کہنے کی رہ گئی ہیں یا بزرگوں کے واقعات میں آپ کو پڑھنے کوملیں گی۔ خلاصہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے مال دولت کی کثرت کے ذریعہ پیدا ہونے والے جن فتنوں سے آگاہ فرمایا ہے آج وہ سب چیزیں ہمارے سامنے ہیں، بس چشم بصیرت چاہئے۔

اور پھر اس سب کا انجام بھی ہمارے سامنے ہے کہ دنیا کی دوسری سب سے بڑی آبادی اور پچاس سے زائد ملکوں پر حکومت کے باوجود آج پوری امت مسلمہ جس ذلت، بربادی، ہلاکت، کسمپرسی اور بے بسی کی کیفت سے دوچار ہے، شاید ہی ایسا بُرا دور اس پر کبھی آیا ہو۔

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں وفحش لٹریچر سے متاثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔ قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

وقت اور فرصت کے لمحات
کی قدر و قیمت

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

وقت کی قدر و قیمت کو نہ پہچاننا اور اس کو یوں ہی لغویات میں صرف کر دینا بڑے نقصان کا سامان ہے۔ اللہ رب العزت نے ہمیں زندگی عطا فرمائی ہے تو اس کا کوئی مقصد ہے۔ اب مقصد کو چھوڑ کر اپنے اوقات کو یوں ہی برباد کر دینا یا فضول ولغو اور بے فائدہ کاموں میں خرچ کر دینا بڑے نقصان کا سودا ہے۔ زندگی بہت بڑی نعمت ہے۔ جو اپنی جنت اور آخرت بنانے کے لئے دی گئی ہے۔ اسے اس کے علاوہ کاموں میں خرچ کرنا اپنے مقصد سے ہٹ جانا ہے، جو یقیناً تباہی ہوگی۔

زندگی اور وقت کے بارے میں عربی مقولہ ہے: ''الوقت هو الحياة'' وقت ہی زندگی ہے، زندگی وقت سے ہے اور وقت زندگی سے ہے۔ لہٰذا جو اچھی اور با مقصد زندگی گزارنا چاہتا ہے وہ زندگی کی قدر کرے۔ اور زندگی کی قدر کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وقت کی قدر کی جائے اور وقت کی قدر کرنے مطلب اپنے ایک ایک سیکنڈ کی قدر کی جائے، جو سیکنڈ کی قدر کرے گا، وہ منٹ اور گھنٹوں کی قدر کرے گا اور پھر اسی طرح دن رات، ہفتہ، مہینہ، سال بھر کی قدر کرنا آسان ہوجائے گا۔ معلوم ہوا کہ جو اپنا سیکنڈ ضائع کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی زندگی ضائع کر رہے ہوتے ہیں۔

عربی محاورہ ہے: ''الوقت كالسيف، فان لم تقطعه لقطعك'' وقت تلوار کی طرح ہے اگر تم نے اسے اچھا استعمال کر کے نہیں کاٹا، تو یہ تمہیں کاٹ لے گا۔ اور وقت کی کاٹ ایسی ہے جس سے کوئی نہیں بچ سکتا، بچہ جوان، بوڑھا، بادشاہ امیر، غریب، سب اس کی زد میں آجاتے ہیں اور یہ بڑی بے رحمی سے اپنا کام تمام کر لیتا ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر لایعنی، لغویات اور وقت ضائع کرنے کی بہت ہی شدت کے ساتھ مذمت بیان فرمائی ہے۔ سورہ مومنون میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾

(وہ ایمان والے کامیاب ہو چکے جو اپنی نماز میں خشوع کا اہتمام کرتے ہیں اور بے مقصد فضول کاموں کو نظر انداز کرنے والے ہوتے ہیں۔) یعنی ایمان والوں کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ وہ ایسے کاموں سے خود کو بچاتے ہیں جن میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دنیا کا، ایسے کام جن میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور زندگی بھی ضائع ہوتی ہے۔

سورہ فرقان میں اللہ رب العزت نے اپنے خاص بندوں کی کچھ خوبیاں بیان فرمائی ہیں، جن میں ایک خوبی یہ

بیان فرمائی کہ:﴿وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾ (اور جب کسی فضول معاملے کے پاس سے گذرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔) یعنی اللہ کے خاص بندوں کی ایک خوبی یہ کہ جب ان کا گذر کسی ایسی جگہ سے ہوتا ہے جہاں فضول کام ہو رہے ہوں اور وقت ضائع کیا جا رہا ہو تو ایسی جگہ سے وہ وقار کے ساتھ رخصت ہو جاتے ہیں، وہاں ٹھہرنا تک پسند نہیں کرتے۔

سورہ قصص میں ارشاد باری ہے:﴿وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾ (اور جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اسے ٹال دیتے ہیں۔) یعنی ان کے کانوں میں جیسے ہی کوئی فضول بات پڑتی ہے، جیسے غیبت، حسد، گالیاں، بے حیائی کا تذکرہ، گانے بجانے، میوزک وغیرہ تو وہ ایمان والے وہاں توجہ نہیں لگاتے۔ اور ان کا یہ کہنا ہوتا ہے ﴿وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ [سورۃ القصص] (اور کہتے ہیں کہ: ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔) یعنی آخرت میں اچھے برے اعمال، اور دنیا میں گزارے گئے وقت کے حساب و کتاب کی فکر انہیں مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اپنے وقت اور اپنی صلاحیت کو غلط جگہ استعمال ہونے سے بچائیں اور پھر کہتے ہیں کہ:﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ [سورۃ القصص] (تم پر سلام ہے، ہم نادان لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔) یعنی یہ کہتے ہوئے سلامتی کی راہ لے لیتے ہیں کہ ہم جاہلوں سے نہیں اُلجھتے، کیوں کہ جاہل سے سر کھپانا دیوار پر سر مارنے جیسا ہے، جس سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیثِ مبارکہ میں اسلام کی خوبی یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

"مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ" [جامع ترمذی]

(کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول باتوں کو چھوڑ دے۔)

معلوم ہوا کہ وقت کی قدر کرتے ہوئے فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور لایعنی و بے مقصد کاموں میں اپنے آپ کو ضائع نہ کرنا چاہئے۔ وقت گزاری اور فضول کاموں میں اپنے وقت کو برباد کرنا، اہل اسلام کا کام نہیں ہے۔

یاد رہے فرصت اور فارغ البالی بھی اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَ الْفَرَاغُ"

(دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان نعمتوں کے حوالے سے دھوکے کا شکار ہیں: صحت اور فرصت۔)

یعنی یہ دو نعمتیں ہیں تو بہت بڑی، لیکن ان سے متعلق دھوکہ بھی ایسا لگتا ہے کہ انسان بس یہ سمجھنے میں اپنے روز و شب گزارتا ہے کہ یہ نعمتیں ہمیشہ میرا ساتھ دیں گی اور میں صدیوں ہی صحت مند رہوں گا، حالاں کہ انسان کی صحت دن بہ دن ڈھلتی جاتی ہے، ایک نوعمر لڑکے کے بدن میں جو چستی ہوتی ہے، وہ چالیس سالہ مرد میں نہیں رہتی۔ اسی طرح فرصت کے جو لمحات آج میسر ہیں وہ ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ہماری مصروفیت بڑھتی جاتی ہے اور زندگی کے ان لمحات کو یاد کر کے خود کو کوستے ہیں، کہ کاش! میں فرصت کے لمحات کی کچھ قدر کرتا اور اپنے وقت کو کسی بہتر مشغلے میں لگاتا، کیوں کہ آج جب کہ میں

بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں اور کر بھی سکتا ہوں، لیکن زندگی کے جھمیلے مجھے کچھ اور کرنے ہی نہیں دیتے۔

آپ علیہ السلام کا اشارہ اس جانب ہے کہ اپنی صحت اور فرصت کے لمحات کی قدر کرو اور اپنے بدن کی قوت کو آج ہی سے دین و دنیا اور آخرت کی بھلائی کے کاموں میں لگادو، نہ جانے کل پرسوں تمہاری صحت کیسی رہے، اور کیا مصروفیات رہیں۔ اس لئے اس مغالطے سے نکلو کہ تمارے اندر جو قوت وطاقت آج موجود ہے وہ ہمیشہ رہے گی، اور فرصت کے جو اوقات ہیں وہ کل بھی میسر رہیں گے۔

الحاصل ہم پر لازم ہے، ہم آج ہی اپنے اندر وقت کی قدر کا احساس بیدار کریں۔ اپنی زندگی کا مقصد سمجھیں اور اپنے فرصت کے لمحات کو غنیمت جان کر اسے آخرت کی تیاری میں صرف کریں۔ ورنہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

موجودہ دور میں موبائل ہمارے وقت کو ضائع کرنے والی سب سے بڑی چیز ہے، یہ ہمیں وقت بے وقت اپنے ساتھ مصروف کر لیتا ہے اور ہم لاشعوری طور پر اس موبائل کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ اس کے بغیر ہمیں زندگی ادھوری معلوم ہوتی ہے۔ اس کے فوائد اپنی جگہ، لیکن ان دو چار فوائد کے چکر میں ہمارے عقائد و نظریات، عبادات و ریاضت، اخلاق و اقدار، معاشرتی تعلقات اور سب سے بڑی چیز ہماری زندگی اور ہمارا وقت اس بلا جیسی ایجاد نے تہس نہس کر دیا ہے اور پوری انسانیت کو سوشل میڈیائی مصنوعی انسان میں بدل دیا ہے، جو کہ ریلز اور ویڈیوز کو دیکھتے ہوئے اپنے ناقابل واپسی وقت کو بدترین درجے میں ضائع کرتا جارہا ہے۔

اس کے چکر میں پھنس کر نئی نسل کے ساتھ ادھیڑ عمر کے لوگ بھی برباد ہو رہے ہیں، لوگ اس میں اس قدر منہمک ہو گئے ہیں کہ نہ نماز کا ہوش ہے، نہ تلاوت قرآن اور مطالعہ کا۔ نہ پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی ہے اور نہ معاشرے کے حقوق کی۔ بس جس کو دیکھو اسی میں مصروف ہے۔ حالاں کہ یہ ایک مشین ہے، جس کا بقدر ضرورت استعمال تو مفید ہے، لیکن حد سے زیادہ اشتغال اپنی دنیا و آخرت دونوں کو برباد کرنا ہے۔

بہر حال دن بدن زندگی کم ہو رہی ہے اور موت کی گھڑی قریب آرہی ہے۔ آج زندگی بھی ہے، فرصت کے کسی قدر لمحات بھی ہیں، آخرت کی تیاری کر لی جائے تو یہی کامیابی ہے۔ کل نہ زندگی رہے گی اور نہ عمل کرنے کا وقت ملے گا۔

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

نیک نیتی سے سینما بینی کا حکم

مولانا بدر الحسن القاسمی

نامور ادیب صاحب طرز انشاپرداز بے مثال صحافی وتبصرہ نگار باکمال مصنف فلسفی شریعت وطریقت کے رمز شناس اور مشرق ومغرب کے علوم وافکار پر ناقدانہ نظر رکھنے والے مبصر مفسر قرآن داعی و مصلح سچ اور صدق کے علم بردار مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک دن ''نیک نیتی'' سے ''سینما بینی'' کی اور اس کا اظہار اخبار میں کیا۔ تو غل مچ گیا۔ لوگوں نے تبصرے شروع کردئے ہر طرف سے تنقیدی مضامین آنے لگے۔ انکے مخالفین نے اسے خوب اچھالا اور مسئلہ یہ کھڑا کردیا کہ یہ ''نیک نیتی سے سینما بینی'' کیا ہے؟ کیا اچھی نیت سے گناہ کرنے کی گنجائش ہے؟ ''انما الاعمال بالنیات'' کے عموم میں کیا یہ داخل ہے؟ ''مدینہ'' کے ایڈیٹر ابوسعید بزمی اور الفرقان کے ایڈیٹر مولانا منظور نعمانی نے اس سے اختلاف کیا اور لکھا کہ کسی برائی پر تبصرہ کرنے کیلئے نیک نیتی سے سہی اسے برتنے اور اسکا ارتکاب کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور مولانا دریابادی کے اس عمل کو انکی اجتہادی غلطی قرار دیا۔ یہ واقعہ مئی 1943ء کا ہے۔

ردوقدح کے دوران معاملہ زیادہ الجھا تو ابوسعید بزمی نے ایک تفصیلی سوالنامہ علامہ شبیر احمد عثمانی کے پاس بھیج دیا اور انکے جواب کو ''مدینہ اخبار'' میں شائع بھی کردیا۔ جس سے ناراض ہوکر مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، علامہ عثمانی سے دوستانہ شکوہ کیا۔ علامہ عثمانی کا جواب اور پھر مولانا دریابادی صاحب کی شکایتی تحریر کا جواب ایک بیش قیمت علمی تحفہ ہے، اس میں وہ اصولی نقاط آگئے ہیں، جو ایسے مسائل میں لوگوں کی ہمیشہ رہنمائی کرتے رہیں گے اور آئے دن فلم ناچ گانے اور موسیقی کے غیر مشروع پروگراموں کے ذریعہ مال جمع کرکے غریبوں کی مدد کا اعلان کیا جاتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کے اصولی جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں، نازی ازم، فسطائی ازم، بولشوازم، سبھوں نے اپنا ایک نصب العین طے کرلیا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اچھے مقصد کے حصول کیلئے ہر طرح کے ذرائع استعمال کرنا، انکے گمان کے مطابق جائز ہے۔ اس خیال کی جھلک بعض اچھے ذی علم اور نیک نیت علماء میں بھی آرہی ہے۔ بعض نام نہاد علماء کو ہم نے یہ کہتے سنا ہے کہ جب ہمارا مقصد اعلی اور نیک، ہے تو جو راستہ بھی ہمکو وہاں تک پہنچائے، اسکے اختیار کرنے میں دریغ نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس مسلک کی تردید اسلام کی بدیہیات اولیہ میں سے ہے، اسلام جہاں اعلی نصب العین ہمارے ہاتھ میں دیتا ہے، اس نصب العین تک پہنچنے کیلئے راستہ بھی تجویز کرتا ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ: بہت سے لوگوں کو حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' سے دھوکہ لگا اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ جس طرح نیت کی خرابی سے طاعت معصیت بن جاتی ہے، شاید اچھی نیت کی برکت سے معصیت بھی ایک طرح کی طاعت بن

جائے، یا کم از کم معصیت کے وبال میں خفت پیدا ہو جائے۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ''کتاب النیة والقصد'' میں اس پر کافی وشافی بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''المعاصي لا تتغير عن موضعها بالنية فلا ينبغي ان يفهم الجاهل ذلك من عموم قوله صلي الله عليه وسلم انما الاعمال بالنيات فيظن ان المعصية تنقلب طاعة بالنية بل قصده الخير بالشر علي خلاف مقتضي الشرع شر اآخر''

جس عمل میں نفع وضرر یا بر واثم کے دونوں پہلو ہوں، ان میں موازنہ کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ مولانا عبدالماجد کی دینی خدمات عظیم وجلیل ہیں۔ افسوس اس پر ہے کہ مولانا نے اپنے فعل سے بلا ارادہ لوگوں کیلئے ایسا موقع فراہم کر دیا کہ وہ ایسے خادم دین کو ہدف طعن بنائیں۔ ''اهون البليتين'' کا مسئلہ یہاں منطبق نہیں ہوتا۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے مولانا عثمانی کے اس مراسلہ کو خلاف توقع سمجھ کر لکھا کہ میں نے سینما کو ''اخف الضررين باهون البليتين'' ہرگز قرار نہیں دیا، بلکہ یہ لکھا کہ سینما بینی فسق ہے، معصیت ہے، حرام ہے، میرا مقصد تو صرف اس قدر تھا کہ ایک طرف شرِمحض ہے اور دوسری طرف شر کے اندر شر کے ساتھ ساتھ کچھ پہلو خیر کے بھی ہیں، لہٰذا جو انسان شر کی طرف جا ہی رہا ہے، شرِمحض کے مقابلے میں شر مع الخیر قابل ترجیح ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ: چوری یقیناً ہر صورت میں معصیت ہے، لیکن ایک چوری محض اپنے نفس کی خاطر ہے، دوسرا چور وہ ہے جو سارا مال محتاجوں مسکینوں پر لٹا دیتا ہے۔ نفس سرقہ دونوں میں مشترک ہے، لیکن عنداللہ کیا دونوں سارق ایک ہی مرتبہ پر رہیں گے؟ کیا یہ کہنا چوری کے جرم کی ترغیب دینا ہے؟ کیا جو شخص شراب محض پیتا ہے، اور وہ شخص جو شراب میں اتنا پانی ملا لیتا ہے کہ سکر جاتا رہے، دونوں ایک ہی درجہ کے ہیں؟ دونوں کی مبغوضیت عنداللہ کیا ایک ہی درجہ کی ہے؟

اپنے اقدام کی معقولیت ثابت کرنے کیلئے مزید لکھتے ہیں: سینما کو میرے خاص کرم فرما خواہ آج جتنا بھی ھوا بنا دیں، لیکن سوال آپ سے اور مولانا منظور جیسے متدین علماء سے یہ ہے کہ اس معصیت کا عندالشرع کیا درجہ ہے؟ بجز نامحرم کی تصویر دیکھنے اور انکی آوازیں سننے کے اور کیا ہے؟ جذباتی انداز پر اپنے اقدام کی توجیہ کے بعد لکھتے ہیں کہ مولانا محمد علی جوہر کے کمرے میں عورتوں کی تصویریں بعض عریاں تک لگی ہوئی تھیں۔ اقبال کے یہاں بھی بعض عجیب عجیب چیزیں تھیں۔ کیا اس بنا پر ان لوگوں نے جو کچھ کیا اور لکھا وہ نا قابل التفات قرار پا جائے گا؟ یہ میرے اوپر اتہام محض ہے کہ میں نے سینما بینی کی راہ کھول دی ہے، شیطانی راہ اسے برابر قرار دے رہا ہوں۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ اور بار بار کہتا ہوں کہ اس شیطانی راہ میں بھی خدا سے تعلق کسی درجہ میں جڑا رہنا ممکن ہے، جس طرح انگریز اور ھندو کی نوکری کر کے بھی کسی درجہ میں تحفظ ایمان ممکن ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے شکوہ نامہ کے جواب میں انکے مقام کی رعایت اور انکی دینی خدمات کی وجہ سے انکی قدر ومنزلت اور ان کے ساتھ قلبی تعلق کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا کہ آپ یقین کیجیے کہ مضمون میں

میرا روئے سخن خاص آپکی طرف نہیں رہا، بلکہ لوگوں کو ایک مہلک غلط فہمی میں مبتلا دیکھ کر مناسب معلوم ہوا کہ اس قدر صحیح چیز کا اظہار کر دیا جائے۔ میرے محترم بھائی! آپکے اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ کی صاف منقح صورت ہنوز آپکے ذہن میں نہیں ہے۔

دیکھیے آپ نے دو چوروں کی جو مثال دی ہے، ایک وہ جو محض اپنے نفس کی خاطر چوری کرتا ہے، دوسرا وہ جو سارا مال محتاجوں مسکینوں پر لٹا دیتا ہے۔ آپ دوسرے کو عند اللہ پہلے کی نسبت زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ علماء کے نزدیک دوسرے کا معاملہ پہلے سے زیادہ سخت ہے۔

درمختار وغیرہ میں دیکھ لیجیے اس دوسرے کی تکفیر تک کی گئی ہے۔ کیونکہ اس تصدق کا منشا بظاہر استحسان اور استحلال معصیت کے سوا کچھ نہیں اور اگر کوئی دوسرا احتمال ہو بھی تو عام لوگوں کے ذہنوں میں اس خیال کے جاگزیں ہونے کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ ایک صورت دوسری مجبوری کی ہے کہ کسی شخص نے حرام ذرائع سے مال جمع کر لیا اور اسکے ذمے تھا کہ وہ سب مالکوں یا وارثوں کو واپس کر دے۔ لیکن کوئی صورت واپسی کی ممکن نہ رہی اب وہ اس مال سے محض اپنا پیچھا چھڑانے کیلئے اپنے قبضہ سے علاحدہ کر کے، مساکین پر خرچ کرے۔ اس صورت سے ہم کو تعرض نہیں۔ درمختار اور شامی باب الزکاۃ میں تصدق بالحرام کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

بہرحال چوری اپنی نفسیاتی خواہشات پر خرچ کرنے کی نیت سے ہو، یا تصدق علی الفقیر وغیرہ کی غرض سے ہو، دونوں حرام ہیں اور دوسری کی حرمت پہلی سے زائد ہے، جو کفر کی حد تک پہنچ سکتی ہے۔ بلاشبہ شر ممزوج بالخیر کو شر محض پر ترجیح ہے۔ بشرطیکہ جس خیر کی آمیزش سمجھی جا رہی ہے، وہ حقیقۃً خیر ہو اور یہ ترجیح بھی اسکے حق میں ہے، جو شر کے ارتکاب سے رک نہیں سکتا۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ جو شخص خیر محض کو اختیار کر سکتا ہے، اسے مشورہ یا فتوی یا اجازت دی جائیکہ وہ بالقصد شر ممزوج کو اختیار کرے۔ جو لوگ بدبختی سے ایک معصیت کو نہیں چھوڑ سکتے اور اس میں مبتلا ہیں، بے شک یہ حکیم کا کام ہے کہ ابتلا کے وقت تا بحد امکان ان کو ایسے پہلوؤں کی طرف متوجہ کرے، جو معصیت کے نقصانات کو کم کرنے والے ہوں اور جن پر نظر کر کے وہ بتدریج سہی انجام کار معصیت سے نفور ہو جائیں۔ لیکن شریعت اسلامیہ یہ اجازت نہیں دیتی کہ خود حکیم بالارادہ یہ خدمت انجام دینے کیلئے اپنے کو اس معصیت کی بیماری میں مبتلا کرے۔

آپ نے جو موثر خدمات منکرات وفواحش سے روکنے میں انجام دی ہیں، اللہ تعالی اس کا صلہ مرحمت فرمائے، خدا کی قسم انہیں خدمات کی قدر و قیمت باقی رکھنے کیلئے اور انکو آئندہ بے اثری سے بچانے کیلئے میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ آپکو ہم لوگ اب ڈاکٹر اقبال اور مولانا محمد علی مرحوم کی صف میں نہیں سمجھتے، بلکہ علمائے مصلحین کے زمرے میں شامل سمجھتے ہیں اور یہی کوشش اور تمنا اور دعا ہے کہ آپکی عظیم الشان دینی خدمات پر کسی طرف سے کوئی داغ نہ آئے۔

چند سطروں کے بعد مزید لکھتے ہیں: جو کچھ تعلق آپ سے ہے کس طرح دل چیر کر دکھلاوں، لیکن نفس مسئلہ کی حد تک اگر

رائے مختلف ہوتو خالص محبت اور دردمندی کے ساتھ عرض کردینا بھی اپنا وظیفہ سمجھتا ہوں۔(دیکھیے انوار عثمانی 125 تا 143)

جیسا شروع میں اشارہ کیا گیا تھا کہ نامور ادیب ومفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک دفعہ نیک نیتی سے سینما دیکھا ان کا مقصد بقول مولانا انوارالحسن شیرکوٹی یہ تھا کہ پکچر دیکھ کر اسکے عیوب اور نقائص سے آگاہی حاصل کی جائے اور پھراس پر اصلاحی تبصرہ کیا جائے،انکے خیال میں یہ بات تھی کہ کسی برائی کا ارتکاب اسلئے کرنا کہ اس سے آگاہی حاصل کرکے لوگوں کو مطلع کیا جائے اگرچہ ہے تو نادرست،لیکن نیک نیتی کے باعث برائی کا ارتکاب کرکے لوگوں کی اصلاح کرنے کیلئے ایسا کرنا،اس شخص کی بنسبت بہتر ہے جو حظ نفس کیلئے سینما دیکھتا ہے۔

مولانا دریابادی نے اپنی اس اجتہادی رائے کا اظہار ''الصدق'' میں کیا۔مدینہ اخبار کے ایڈیٹر ابوسعید بزمی نے اس سے اختلاف کیا۔الفرقان کے ایڈیٹر نے بھی مولانا دریابادی کی رائے سے اختلاف کیا۔یہ 1943 کی بات ہے۔علامہ عثمانی سے اسکے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں شرعی حکم کی وضاحت بڑی تفصیل باریک بینی اور جامعیت کے ساتھ کردی تاکہ دوسرے لوگ اس طرح کی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ علامہ عثمانی کا جوابی مراسلہ جون 1945 میں شائع کیا گیا۔

واضح رہے کہ نیک نیتی سے غلط کام کرنے کا تصور نیا نہیں ہے۔پڑوسی کے درخت سے پھل چرا کر یتیم کو کھلانا یا غلط کام کرکے اسکی آمدنی کو کارخیر میں لگانا،قدیم زمانہ میں بھی بعض لوگوں کی طرف سے جب سامنے آتا،تو شاعرانہ مذاق اور سخریہ کا موضوع لوگوں کے ہاتھ آجاتا تھا۔

چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

کسارقة الرمان من روض جارها

تعود به المرضي وترغب في الأجر

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

بنى مسجد الله من غير كده

فجاء بحمد الله غير موفق

كمطعمة الايتام من بيع جسمها

فليتك لم تزن ولم تتصدق

اس مفہوم کے اشعار بے شمار ہیں۔حاصل یہی ہے کہ نیک نیتی سے گناہ کا ارتکاب کرنا ڈبل گناہ ہے۔جس سے ایمان بھی خطرہ میں پڑجاتا ہے۔ناچ گانے اور موسیقی کا پروگرام رکھ کر کسی اچھے کام کیلئے چندہ جمع کرنا بھی کوئی پسندیدہ شرعی عمل نہیں ہے جسکی حوصلہ افزائی کی جاسکے۔

سُنّت کی برکتیں

مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ

(دوسری وآخری قسط)

ان ضروری امور کی وضاحت کے بعد اب ''برکاتِ سنت'' کو بیان کرتا ہوں، لیکن یہ عرض کر دینا ضروری ہے کے ''برکاتِ سنت'' بے شمار ہیں، ان کا احاطہ ممکن نہیں، یہاں بطور نمونہ چند امور کو بیان کر سکوں گا:

محبوبیتِ خداوندی: اتباعِ سنت کی سب سے اہم برکت یہ ہے کہ اس کی بدولت آدمی اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہو جاتا ہے، قرآن کریم میں ہے: ''قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' (آلِ عمران: ۳۱) (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے عنایت فرمانے والے ہیں۔''

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ''یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباعِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔ جو شخص جس قدر حبیبِ خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ چلتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہیے کہ خدا کی محبت کے دعویٰ میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعویٰ میں سچا ہوگا، اتنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا، جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی۔''

اتباعِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ کی محبت و محبوبیت حاصل ہونے کا راز یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں۔ جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل و شباہت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و اعمال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار کو اپنائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہو جائے گا، کیونکہ محبوب کی ادائیں بھی محبوب ہوتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر ادا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول و عمل منشا الٰہی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، گویا اگر کوئی شخص رضائے الٰہی کو مجسم شکل میں دیکھنا چاہتا ہو، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو عین اطاعتِ خداوندی قرار دیا گیا، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا'' (النساء: ۸۰) ترجمہ: ''جس نے حکم مانا رسول کا، اس نے حکم مانا اللہ کا، اور جو اُلٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر نگہبان۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

پس جب آپ ﷺ کی سنت، رضائے الٰہی کا معیار ہوئی اور آپ ﷺ کی اطاعت، عین اطاعتِ خداوندی قرار پائی، تو جو شخص بھی آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے مبارک طریقوں کو اپنائے گا اور جو شخص بھی آپ ﷺ کی معین کردہ شاہراہِ عمل پر گامزن ہوگا، وہ رضائے الٰہی کا مورد ہوگا اور ''رضي الله عنهم و رضوا عنه'' کی بشارت سے سرفراز ہوگا۔ یہ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی انتہائی سعادت وخوش بختی ہے کہ انہیں آنحضرت ﷺ کی پیروی سے محبوبیت ورضائے الٰہی کا مقام میسر آ سکتا ہے۔ گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اندکس بمیدان در نمی آید سواراں راچہ شد۔ یہاں یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ محبت دوطرفہ چیز ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا وہ محب بھی ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے: ''یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ'' یعنی ''اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔'' گویا محبوب رب العالمین ﷺ کی سنت کو اختیار کرنے والے کو دو انعام عطا ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''محبِ صادق'' ہونے کی سند عطا کی جاتی ہے۔ یہ دونوں کتنے بڑے انعام ہیں؟ اس کی قدر کسی عاشقِ صادق سے پوچھیے، حضرت اقدس عارف باللہ ڈاکٹر عبد الحیٔ عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کبھی شوریدگانِ عشق کا ہوتا ہے ذکر اے زہے قسمت! کہ ان کو یاد آ جاتا ہوں میں۔

معیتِ نبوی ﷺ: اتباعِ سنت کی ایک برکت یہ ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں آنحضرت ﷺ کی معیت نصیب ہوگی، آنحضرت ﷺ نے اپنے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''یا بني! إن قدرت أن تصبح و تمسي و لیس في قلبک غش لأحد فافعل، ثم قال: یا بني! و ذلک من سنتي، و من أحب سنتي فقد أحبني و من أحبني کان معي في الجنة۔'' (مشکوۃ، ص: ۳۰) ترجمہ: ''اے بیٹا! اگر تو اس پر قادر ہو کہ ایسی حالت میں صبح وشام کرے کہ تیرے دل میں کسی کی جانب سے میل نہ ہو تو ضرور ایسا کر، پھر فرمایا: اے بیٹا! اور یہ میری سنت میں سے ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔'' اس حدیث پاک میں سنت نبوی ﷺ کو محبوب ومرغوب رکھنے والے کے لیے متعدد انعامات کی بشارت ہے۔

ایک یہ کہ ایسے شخص کا نام آنحضرت ﷺ کے عشاق ومحبین میں لکھا جائے گا، گویا ''عشقِ رسول'' کا معیار ہی ''سنتِ نبوی ﷺ'' سے محبت ہے، جو شخص جس قدر متبعِ سنت ہوگا، اسی قدر عشقِ رسالت میں اس کا مقام بلند ہوگا اور جو شخص جس قدر سنتِ نبوی کی پیروی سے محروم ہوگا، اسی قدر ''عشقِ نبوی'' سے بے نصیب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ اتباعِ سنت پر صادق مصدوق ﷺ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ ایسا وعدہ ہے جس میں تخلّف کا کوئی امکان نہیں، پس عشق ومحبت کے ساتھ سنتِ نبوی کی پیروی جنت کا ٹکٹ ہے۔

تیسرا انعام جو تمام انعامات سے مزید تر ہے، یہ ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ومعیّت نصیب ہوگی اور یہ مضمون قرآن کریم میں بھی منصوص ہے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

’’مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَأُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصَّالِحِیْنَ وَ حَسُنَ أُولٰئِکَ رَفِیْقًا ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْماً‘‘ (النساء:۶۸، ۶۹) ترجمہ: ’’اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا، سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اس نعمتِ کبریٰ اور دولتِ عظمیٰ سے بڑھ کر کونسی نعمت ہو سکتی ہے کہ کسی خوش بخت کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداءؒ اور صالحینؒ کی صحبت و رفاقت میسر آ جائے۔

شہید فی سبیل اللہ کا مقام کتنا بلند ہے؟ اور اسے کس قدر انعامات سے نوازا جاتا ہے؟ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اس کی تفصیل موجود ہے، لیکن ’’سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم‘‘ پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرنے والے کو سو شہید کا مرتبہ عطا کیا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے: ’’من تمسک بسنتي عند فساد أمتي، فلہ أجر مائۃ شہید۔‘‘ (مشکوٰۃ، ص:۳۰) ترجمہ: ’’جس شخص نے میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا میری اُمت کے بگاڑ کے وقت اس کے لیے سو شہید کا اجر ہے۔‘‘

یہ حدیث متعدد فوائد پر مشتمل ہے: ایک: یہ کہ اس میں اُمت کے عمومی بگاڑ کی پیشن گوئی فرمائی گئی ہے۔ ’’عمومی بگاڑ‘‘ کا لفظ میں نے اس لیے کہا کہ لاکھ دو لاکھ آدمیوں کی جماعت میں اگر سو پچاس آدمی بگڑے ہوئے ہوں تو اس بگاڑ کو پوری جماعت کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ’’فسادِ امت‘‘ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ امت کی اکثریت میں فساد آئے گا، کہیں عقائد کا بگاڑ ہوگا، کہیں اعمال کا، کہیں اخلاق کا، کہیں معاملات اور معاشرت کا بگاڑ ہوگا، آج امت کے مجموعی حالات پر نظر ڈالی جائے تو ’’فساد أمتي‘‘ کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

دوم: یہ کہ امت کا یہ بگاڑ ترکِ سنت کی وجہ سے ہوگا، یعنی امت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے اعمال اور اخلاق و آداب کو چھوڑ کر گمراہ قوموں کے نقشِ قدم پر چل پڑے گی اور یہی چیز اس کے عالمگیر فساد کا سبب بن جائے گی۔ یہ امت غیر قوموں کی تقلید کے لیے وجود میں نہیں لائی گئی، بلکہ اقوامِ عالم کی امامت و قیادت کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا تھا، اور وہ امامت و قیادت کے منصب پر اسی وقت تک فائز رہے گی، جب تک وہ خود اپنے نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقتدی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم کی پابند ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی امانت کی نگہبان و پاسبان ہو، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ’’کُنْتُمْ خَیْرَ أُمَّۃٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ‘‘ (آلِ عمران:۱۱۰) ترجمہ: ’’تم ہو بہتر سب اُمتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔‘‘ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

افسوس ہے کہ قرآن کریم نے ’’خیرِ امت‘‘ کے جو اوصاف و خصوصیات اس آیتِ کریمہ میں بیان فرمائے ہیں، اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت و طریقہ کو چھوڑنے کی وجہ سے امت ان خصوصیات سے ہاتھ دھو بیٹھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوامِ عالم کی قیادت کے بجائے ان کی دریوزہ گر ہو کر رہ گئی۔ آج اس کی گراوٹ و پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ مادیات ہی میں دوسری قوموں سے بھیک نہیں مانگ رہی، بلکہ

آئین وقانون، تمدن وشہریت اوراخلاق ومعاشرت کے آداب بھی باہر سے درآمد کررہی ہے، فإلى الله المشتکی۔

سوم: یہ کہ امت کے عمومی فساداور بگاڑ کی فضا میں بھی ہر امتی کو تاکید فرمائی گئی ہے کہ وہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمسک کرے اور اس کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے، ایسے پُر از فساد ماحول میں بھی کسی شخص کے لیے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ’’اجی کیا کریں؟ پورا معاشرہ ہی بگڑا ہوا ہے، ایسے ماحول میں ’’سنتِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم‘‘ پر عمل کیسے کریں؟‘‘ نہیں، بلکہ چار سو ہزار فتنہ وفساد ہو، معاشرہ اور ماحول کتنا ہی بگڑا ہوا ہو، اتباعِ سنت کی پابندی بہرحال لازم ہے، یہ کبھی ساقط نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کے عمومی بگاڑ اور فساد کے زمانے میں بھی ’’سنت‘‘ کو مضبوطی، عزم اور حوصلہ کے ساتھ تھامنے کا حکم فرمایا ہے۔

چہارم: یہ کہ جو شخص ایسے فساد آمیز ماحول میں بھی ’’سنتِ نبوی‘‘ کو سینے سے لگائے رکھے، اس کو بشارت دی گئی ہے کہ یہ قیامت کے روز سو شہیدوں کا اجر ومرتبہ پائے گا، کیونکہ شہید تو ایک مرتبہ اپنی جانِ عزیز کا نذرانہ بارگاہِ خداوندی میں پیش کرکے سرخرو ہوجاتا ہے اور یہ شخص کارزارِ زندگی میں جہادِ مسلسل کررہا ہے، اس پر ہر طرف سے طعنوں کی بارش ہورہی ہے، کوئی ’’دقیانوسی‘‘ کہہ رہا ہے، کوئی کٹھ ملاّ کا خطاب دے رہا ہے، کوئی ’’رجعت پسند‘‘ کی پھبتی اُڑا رہا ہے۔

الغرض اس مجاہد کو ہزار طعنے برداشت کرنا پڑرہے ہیں، جن سے اس کے قلب وجگر چھلنی ہیں، لیکن اس نے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا عہد باندھ رکھا ہے اور وہ ہر قیمت پر اس عہد کو نبھا رہا ہے، اس لیے کوئی شک نہیں کہ اس کا کارنامہ سو مجاہدوں کے برابر شمار کیے جانے کے لائق ہے، ایسا شخص مرتے وقت پوری طعنہ زن قوم کو مخاطب کرکے کہتا ہے:

فقیرانہ آئے صدا کر چلے　　　میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں عرض کرتا ہے:

جو تجھ بن نہ جینے کا کہتے تھے ہم　　　سو اس عہد کو اب وفا کر چلے۔

****

(صفحہ: ۴۵ کا بقیہ)

جب وہ خود چل دیں تو اپنے بچوں کے لئے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گئیں، جو قیامت تک انہیں عقیدت کے بیابان میں سرگرداں رکھے گا۔ اگر ماں جی کے نام پر خیرات کی جائے تو گیارہ پیسے سے زیادہ ہمت نہیں ہوتی، لیکن مسجد کا ملا پریشان ہے کہ بجلی کا ریٹ بڑھ گیا ہے اور تیل کی قیمت گراں ہوگئی ہے۔ ماں جی کے نام پر فاتحہ دی جائے تو مکئی کی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی سامنے آتی ہے لیکن کھانے والا درویش کہتا ہے کہ فاتحہ درود میں پلاؤ اور زردے کا اہتمام لازم ہے۔ ماں جی کا نام آتا ہے تو بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے لیکن اگر رویا جائے تو ڈر لگتا ہے کہ ان کی روح کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر ضبط کیا جائے تو خدا کی قسم ضبط نہیں ہوتا۔

خوارق و معجزات اور سائنس

مولانا محمد بدیع الزماںؒ

حواس و عقل کا دائرہ کار: اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو انسانی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ دنیا کے معاملات ہوں یا آخرت کے احوال، اسلام نے سب کی تفصیلات اور زندگی کی ہر مشکل کا قابلِ عمل حل پیش کیا ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے، اس لیے اس کا ہر حکم عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ کے موافق ہے۔ اگر کسی شخص کو اسلامی عقائد و اعمال میں سے کوئی چیز خلافِ عقل نظر آتی ہے تو یہ دراصل اس کی عقل کا قصور ہے۔ عقل بھی تو ایک قوتِ شاعرہ ہی ہے۔ ہر حس و شعور کا دائرۂ عمل محدود ہوتا ہے۔ قوتِ باصرہ (آنکھ) ایک خاص حد تک کام کرتی ہے، اس سے آگے عاجز ہے۔ قوتِ سامعہ (کان) سے بھی ایک مخصوص حد تک استفادہ کیا جاتا ہے، لیکن اگر متکلم مخاطب سے بعید اور اس کی نگاہ سے اوجھل ہو تو نہ اس کی آواز سنی جا سکتی ہے اور نہ اس کی شکل و صورت دکھائی دیتی ہے۔ اسی بنا پر کوئی شخص اس کا دعویٰ نہیں کرتا کہ جو چیز میری نگاہ کے احاطہ میں نہیں ہے، وہ دراصل موجود نہیں ہے۔ اسی طرح عقل کا دائرۂ ادراک و شعور بھی محدود ہے، ہر چیز کو میزانِ عقل پر وزن نہیں کیا جا سکتا، عقل کی ترازو میں امورِ آخرت، حقیقت و آثارِ نبوت، ذات و صفاتِ الٰہی کی تفصیلات کو نہیں تولا جا سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص سونا تولنے کی ترازو (کانٹے) میں پہاڑوں کو تولنے لگے، تو لنے والے کی حماقت ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح آنکھ میں بصارت کا مادہ اور بینائی کی قوت موجود تو ہے، لیکن وہ تاریکی میں قوتِ باصرہ سے کام لینے کے لیے خارجی روشنی کی محتاج ہے، اسی طرح عقلِ انسانی بھی ماوراء العقل اُمور کے ادراک میں وحیِ الٰہی کی محتاج ہے۔ لہٰذا اگر عقل کے ساتھ وحیِ الٰہی کا لطیف و نور آفریں تعلق باقی رہے تو اسلام کا کوئی حکم خلافِ فطرت اور خلافِ حقیقت نظر نہیں آسکتا، لیکن اگر وحیِ سماوی اور تعلق مع اللہ کا کنکشن منقطع ہو جائے تو قدم قدم پر انسانی عقل اسی طرح ٹھوکریں کھاتی ہے، جیسے اندھیرے میں بینائی کی قوت، حتیٰ کہ پیش پا اُفتادہ حقائق اور بدیہیات بھی اس کے لیے نظریات بن جاتے ہیں، اسی لیے شریعتِ اسلامیہ نے عقل کو علم و معرفت کے باب میں مختارِ کل نہیں بنایا، بلکہ وحیِ ربانی کے تابع رکھ کر اس سے استفادہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

عقل مند کون؟ موجودہ دور میں ملحدینِ یورپ کی کورانہ تقلید یا جدید تعلیم و تہذیب کے مسموم اثرات کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جو اسلام کے معتقدات اور مسلمہ حقائق کو خلافِ فطرت کہہ کر ان کا مذاق اُڑاتا ہے، بلکہ سنجیدگی کے ساتھ ان پر غور کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرنے کے بجائے اس تمسخر و استہزاء کو اپنے لیے سامانِ تفریح اور اپنی مجالس کو اس سے پُررونق بناتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ لوگ انتہائی وقاحت اور بے شرمی کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ چونکہ یہ مسائل ہماری روشن عقل کے خلاف ہیں، اس لیے ہم اُن کو تسلیم نہیں کر سکتے، ستم ظریفی ملاحظہ ہو: جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں۔

کاش! ان دشمنانِ عقل ودین سے کوئی دریافت کرے کہ تمہیں پتہ ہے کہ عقل کی حقیقت کیا ہے؟ اہلِ عقل کہلانے کے مستحق کون لوگ ہیں؟ اور کس نے تمہیں عقلاء کی فہرست میں شامل کیا ہے؟ ''برعکس نام زنگی نہند کافور'' اسلام کا مذاق اُڑانے والے خداوندانِ مغرب کے نزدیک بے شک اہلِ عقل ہوسکتے ہیں، لیکن قرآن وسنت کی اصطلاح میں ان کا شمار مجانین وسفہاء بلکہ ''أُولٰئِکَ کَالْأَنْعَامِ'' کے زمرہ میں ہوتا ہے، لیکن انہی مدعیانِ عقل ودانش کے سامنے اگر کوئی تاریخی واقعہ پیش کیا جائے تو اس کو تسلیم کرنے میں اُن کو کوئی تامل نہیں ہوتا، چاہے وہ کتنا ہی بعید از عقل کیوں نہ ہو، خصوصاً اگر کسی انگریز مؤرخ یا مستشرق نے اس کو قلمبند کیا ہو تو اس کا درجہ تو اُن کے نزدیک ایمان ویقین کے لحاظ سے وحیِ ربانی سے بھی زائد ہوگا۔

مدعیانِ عقل کے تضادات: ذیل میں دو تاریخی واقعات درج کیے جاتے ہیں، جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان مدعیانِ عقل وخرد کو اُن کے تسلیم کرنے میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن اگر اس قسم کا واقعہ شریعت نے بیان کیا ہوتا تو اس میں ان دشمنانِ عقل ودین کو صدہا کیڑے نظر آتے اور صاف کہہ دیتے کہ خلافِ عقل ہے، ہم نہیں مانتے:

1- ''ہنگری میں دولڑکیاں پیدا ہوئیں، دونوں کے تمام اعضاء مستقل اور الگ الگ تھے، لیکن دونوں کے سرین (پچھلا حصہ) اس طرح ایک کا دوسرے سے جڑا ہوا تھا کہ دونوں کا مخرج براز (فضلہ نکلنے کی جگہ) ایک ہی تھی، اسی ایک راستہ سے دونوں قضاء حاجت کرتی تھیں، پیشاب گاہ الگ الگ تھی، جب ایک کو پیشاب کی حاجت ہوتی تو دوسری منقبض ہوجاتی۔ عمر کے چھٹے سال میں ایک کے اعضاء کسی مرض سے شل ہوگئے، اسی حالت میں وہ عمر بھر پھرتی رہی، لیکن دوسری کے اعضاء صحیح سالم تھے، بلوغ کی علامات بیک وقت دونوں میں ظاہر ہوئیں، جب بائیس سال کی عمر ہوئی تو ایک کو شدید بخار ہوا اور اسی مرض میں اس کا انتقال ہوگیا، تین گھنٹہ کے بعد دوسری بھی مرگئی اور ساتھ ہی دونوں کو دفن کیا گیا۔'' 2- ایک چینی لڑکا جس کی عمر بارہ برس کی تھی اپنے سینہ پر دوسرا بچہ اُٹھائے ہوئے تھا، اس دوسرے بچے کا سر اُس کے سینہ کے اندر چھپا ہوا تھا، باقی دھڑ اُس کے سینہ سے گھٹنوں تک لٹکا رہتا تھا، اس بچہ میں کافی شعور تھا، ذرا سے چھونے سے وہ متاثر ہوتا اور اس سے وہ اُٹھانے والا بھی متاثر ہوتا۔'' اس قسم کے متعدد واقعات انسائیکلوپیڈیا میں موجود ہیں، یہ مدعیانِ عقل وخرد ان کو تو بلا کسی تردُّد کے تسلیم کرلیتے ہیں، لیکن اگر خرقِ عادت کے طور پر انبیاءؑ واولیاءؒ سے کوئی اسی قسم کی خلافِ عادت چیز ظہور میں آئے تو اس میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں اور نہیں مانتے۔

شکوک وشبہات کی وجہ: یہ مرض دراصل وحیِ الٰہی کی عظمت کے شعور سے محروم ہونے اور ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ اگر خلاّقِ عالم کی قدرت پر یقین کامل ہو تو تمام ''خوارق'' (معجزات وکرامات) پر ایمان لانے میں کسی قسم کا کوئی مانع پیش نہیں آسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب معراج کا ایمان افروز واقعہ کفار نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا، تاکہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرائیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس میں کونسی تعجب کی چیز ہے؟ ''ملإ اعلیٰ'' سے ''وحی'' آنے پر جب میں ایمان لاچکا ہوں تو اس واقعۂ صادقہ کے تسلیم کرنے میں مجھے کیا تامل ہوسکتا ہے؟۔ موجودہ پُرفتن دور میں مادہ پرستی اور خدا اور رسول کی تعلیمات سے بے گانگی حد سے زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے معجزات وکرامات کو یہ کہہ کر رد کردیا جاتا ہے کہ:

''یہ چیزیں قانونِ قدرت کے خلاف ہیں اور انسانی عقل کی رسائی سے باہر ہیں، اس لیے ہم نہیں مانتے۔'' معجزہ کو خلافِ قانونِ قدرت کہنا درحقیقت جہل کی دلیل ہے، ہاں! اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ معجزہ یا کرامت عام قانونِ قدرت کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے کہ اگر معجزہ عام انسانی دسترس سے باہر نہ ہوتو پھر وہ معجزہ ہی نہیں ہوسکتا۔

تاریخ کے اوراق میں بے شمار ایسے خوارق موجود ہیں جن کی صداقت پر کسی کو تردُّد نہیں ہوتا، اگر ایسے ہی خوارق کسی صاحبِ نبوت وولایت ہستی سے صادر ہوں تو اس میں کیا استحالہ ہے؟ اور ان کے قبول کرنے میں کیوں تامل ہے؟ فرانس کے مشہور فیلسوف کامل ''فلاریوں'' نے اپنی کتاب ''المجهول والمسائل الروحية'' میں لکھا ہے: ''۱- ایک عورت کا پستان بائیں ران پر تھا، وہ اس سے بچہ کو دودھ پلاتی تھی۔ ۲- جاپان میں تباہ کن زلزلہ آیا تھا جس سے کئی بستیاں تہ وبالا ہوگئیں۔ ۳: -ضلع ہردوئی میں ایک بگولا اُٹھا تھا جس سے ایک جھیل کا پانی خشک ہوگیا اور دوسری جگہ جھیل بن گئی۔''

اس قسم کے خوارق کو کوئی غلط نہیں کہتا، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ آیا، اس کے چودہ کنگرے گر گئے یا فارس کے آتش کدہ کی ہزار سالہ آگ بجھ گئی تو ان واقعات کے تسلیم کرنے میں پس وپیش ہونے لگتا ہے۔

سائنسی تحقیقات سے معجزات وکرامات کی تائید: سائنس کی محیر العقول ایجادات سے قبل تو معجزات وخوارق وغیرہ کو سمجھنے اور سمجھانے میں دقت پیش آسکتی تھی، لیکن اس سائنسی دور میں تو خوارق ومعجزات پر ایمان لانے میں کوئی اشکال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ درحقیقت سائنس کے انکشافات نے تسلیمِ خوارق کے لیے راہ ہموار کردی۔ امام العصر حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا سید انور شاہ قدس سرہٗ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا فرمائے ہیں، وہ دراصل اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ مستقبل میں (سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد) لوگ مادی وسائل واسباب کے ذریعہ ان جیسے خوارق تک رسائی حاصل کیا کریں گے، جن کا ظہور انبیاء ورسل سے بغیر اسباب ووسائل کے ہوا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ وقاہرہ کا ظہور ہوتا رہے۔'' حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا پر اُڑ کر صبح سے شام تک دو ماہ کی مسافت طے کرتا تھا، آج فضا میں ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوائی جہاز پرواز کرتے ہیں، جو کام الیکٹرک سے ہوسکتا ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی تصدیق کے لیے وہی کام بغیر الیکٹرک کے ظاہر نہیں کرسکتے؟۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں بخوبی سمجھتے تھے، جبکہ عام انسان طیور کی چہچہاہٹ کو مہمل اور بے معنی چیز سمجھتے ہیں، اس معجزہ کی نظیر بھی سائنس نے پیش کردی۔ آپ کسی پوسٹ آفس میں چلے جائیں، وہاں تار کی کٹ کٹ گھنٹوں سنتے رہیں، آپ کے نزدیک اس کی حیثیت بے معنی حرکات واَصوات (حرکتوں اور آوازوں) کی ہوگی، لیکن پوسٹ ماسٹر فوراً آپ کو بتادے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں شخص یہ کہہ رہا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ پھر کیوں کر انکار کیا جاتا ہے اس سے کہ صانعِ حقیقی نے نغماتِ طیور کو بھی مختلف معانی ومطالب کے اظہار کے لیے وضع کیا ہے اور اپنی قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لیے بطور پیغمبرانہ اعجاز کے اپنے ایک اولوالعزم نبی کو اس کا علم عطا فرمادیا ہے۔

شبِ معراج میں حضورِ اکرم ﷺ کا آسمانوں کا سفر کرنا اور عجائباتِ قدرت کو دیکھ کر واپس آنا، اس سرعتِ رفتار کو جٹ ہوائی جہاز اور بجلی کی رفتار یا راکٹ کی سبک رفتاری سے بخوبی سمجھا اور باور کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ دور کے حیرت انگیز آپریشنوں نے شقِ صدر کے معجزہ کو باور کرا دیا۔ معراج سے واپسی کے بعد مکہ معظّمہ میں حضور ﷺ کا بیت المقدس کو بلا حجاب دیکھ کر کفار کے سوالات کا جواب دینا اس کی نظیر بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ دوربین یا خوردبین کے ذریعہ ایک شخص جو چیزیں دیکھتا ہے، دوسرے کو وہ اشیاء نظر نہیں آتیں، لیکن اس نظر نہ آنے کی بنا پر کوئی شخص بھی اُن کے وجود سے انکار نہیں کرسکتا، تو اگر پیغمبر اپنی خداداد دوربین نگاہ سے بیت المقدس کا نقشہ دیکھ کر جوابات دے رہے ہوں تو اس میں کیا تعجب ہے اور کیوں اس کا انکار کیا جاتا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندہ بنا کر "نفخ" کے ذریعہ (پھونک مار کر) اس کو ہوا میں اُڑا دیا کرتے تھے، اس معجزہ کو بھی سائنس کی ایجاد نے حل کر دیا۔ معدنیات کے چند مادے اور ٹکڑے ملا کر برقی طاقت کے ذریعہ ان کو راکٹ کی صورت میں بغیر پائلٹ کے ہوا میں اُڑا دینا اس معجزہ کو باور کراتا ہے۔ اگر برقی طاقت کے ذریعہ جہاز یا راکٹ کو فضا میں چلایا اور کنٹرول کیا جاسکتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ وقاہرہ سے بتوسطِ نفخِ عیسیٰ مٹی کے پرندہ کو ہوا میں نہیں اُڑا سکتے؟

نبی کریم ﷺ کا معجزہ: آپ نے سنا ہوگا کہ آپ ﷺ پشت کے پیچھے کی چیزیں اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے کی اشیاء کو ملاحظہ فرماتے تھے۔ اس معجزۂ حقہ کی حقیقت بھی اہلِ سائنس کی کاوشوں نے واضح کردی۔ ایک انگریز ماہر "علمِ بصارت" لکھتا ہے کہ انسان کے بدن کی جلد کے نیچے چھوٹے خلیے پائے جاتے ہیں جو سارے جسم میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ خلیے دراصل ننھی ننھی آنکھیں ہیں، ان میں اسی طرح سامنے کی چیزوں کا عکس پڑتا ہے اور تصویر اُتر آتی ہے جس طرح آنکھ کی پتلی میں۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی پیشانی کی جلد میں بھی قوتِ باصرہ موجود ہے، یہی قوت دماغ کو پیغام پہنچاتی ہے۔

حضور ﷺ کے سامنے درخت جھک جاتے اور آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے۔ ملحدین نے اس معجزہ کا بھی مذاق اُڑایا، لیکن آج ماہرینِ علمِ نباتات نے درختوں اور پودوں کے متعلق جو حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پودوں میں دیکھنے سننے کی بھی قدرت ہے، آپس میں بات چیت بھی کرتے ہیں، ان پر عشق ومحبت اور رنج وغم کی کیفیات بھی وارد ہوتی ہیں، ان میں سے بعض میں "ذکاوتِ حس" کا مادہ بھی موجود ہے، بعض پودے محض چھونے ہی سے سکڑ جاتے ہیں اور ادنیٰ اشارے سے بند ہوجاتے ہیں، اسی ذکاوتِ حس کی وجہ سے ایک پودے کو اردو میں "چھوئی موئی" کہتے ہیں۔

ہندوستان کے مشہور ماہر سائنس سرجگدیش چندر بوس نے طویل تجربہ وتحقیق کے بعد ایک کتاب "پلانٹس آٹو گرافس اینڈ ویرر یویلیشن" کے نام سے شائع کی ہے، جس میں اس نے پودوں کے متعلق نہایت حیرت انگیز معلومات جمع کی ہیں، جن کو سننے یا پڑھنے کے بعد کوئی عقل ودانش کا مالک انسان مذکورہ معجزہ سے انکار نہیں کرسکتا۔

تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں مسجدِ نبوی کے منبر پر کھڑے ہوکر مجاہدین کے سپہ سالار ساریہ کو پکار کر کہا: "**یا ساریة الجبل**" اسی وقت یہ آواز ساریہ کے کانوں تک پہنچ گئی، حالانکہ وہ مدینہ منورہ سے

صدہا میل دور تھے۔ یہ آواز اُن تک کس طرح پہنچی؟! اس کرامتِ حقہ کو وائرلیس کی ایجاد نے حل کر دیا، آج آپ وائرلیس ٹیلیفون کے ذریعہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں۔ اسی طرح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے روحانی وائرلیس کے ذریعہ ساریہ تک اپنی آواز پہنچادی۔

عالمگیر جنگ کے زمانہ میں ایک لاسلکی پیغام میٹروگریڈ سے لندن چلا، راستہ میں بعض جرمن ماہرین اُسے جذب کرنے لگے، اوپر سے ایک فرانسیسی طیارہ نے ان پر بم پھینکا اوران کی اس کوشش کو ناکام بنادیا۔ اس واقعہ سے وحیِ آسمانی کی شہاب کے ذریعہ حفاظت کا مسئلہ بھی بآسانی ذہن نشین ہوجاتا ہے کہ عرش سے جو لاسلکی پیغام ارضِ حجاز کو جارہا ہے، شیاطین اس کو درمیان سے اُچکنا چاہتے ہیں، اوپر سے شہابِ ثاقب کا بم ان کا کام تمام کردیتا ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے کہ: ''شیطان اور اس کا لشکر تم کو دیکھتا ہے، لیکن تم ان کو نہیں دیکھتے۔'' آج ٹیلی ویژن سے اس مسئلہ کو بھی بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ ٹیلی ویژن پر تقریر کرنے والے کو وہ سب لوگ دیکھتے ہیں جو اس کے سامنے ہیں، لیکن وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھ سکتا، اس کی تقریر اور اس کی نقل وحرکت کو دوسرے دیکھتے ہیں، وہ خود اس سے عاجز ہے کہ اپنے دیکھنے والوں کو دیکھ سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مستقبل بعید'' اور ''مابعد الموت'' کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے اور قبر اور اس کے بعد جہنم کے مہیب عذاب اور خوفناک کیفیات سے اُمت کو ڈرایا ہے، اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ''راڈر'' سے مدد لی جاسکتی ہے۔ ''راڈر'' ایک آلہ ہے جس کی مدد سے جہازوں کا نظام چل رہا ہے۔ یہی آلہ آپ کو بتاتا ہے کہ آگے کونسی چیز آرہی ہے جس سے جہاز کو نقصان لاحق ہوسکتا ہے، تقریباً سو میل سے ہی یہ آلہ بتلادیتا ہے کہ سامنے غلیظ بادل یا بلند پہاڑ آرہا ہے۔ اگر ایک بے جان آلہ مسافتِ بعیدہ کے حالات سے آپ کو مطلع کرسکتا ہے تو کیا پیغمبر کی بصیرتِ قلبی وفراستِ ایمانی مستقبل کے حالات کا اِدراک نہیں کرسکتی؟۔ بعض اولیاء اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ ہوا میں اُڑنے لگے، اس پر زائغین کو ہنسی آتی تھی کہ انسان کس طرح ہوا میں اُڑسکتا ہے، لیکن تدریجی طور پر سائنس ان تمام ناقابل فہم مشکلات کا حل پیش کررہی ہے۔

چند ماہ قبل اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ''امریکہ'' میں ایک انسان کو خلائی جہاز میں سوار کرکے دنیا کے سفر پر روانہ کیا گیا، مدار پر پہنچ کر وہ سوار جہاز سے باہر نکل آیا، کئی منٹ تک فضا میں پرواز کرتا رہا، بعد میں خود ہی جہاز کے اندر چلا گیا۔ اس خبر کا تو کسی نے انکار نہیں کیا، لیکن اگر ایسا واقعہ کسی خدارسیدہ بزرگ کا بیان کیا جائے، اس میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں۔

الغرض سائنس کی ترقی اور محیر العقول سائنسی ایجادات کا بغور مطالعہ کرنے سے اسلام کے بہت سے پیچیدہ مسائل اقرب الی الفہم اور قابلِ قبول ہوجاتے ہیں، اب جبکہ ہر طرف سے ایمان کی متاعِ گراں مایہ کو لوٹنے کے لیے نئے سے نئے فتنے رونما ہورہے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اسی سرکش انسان کے ہاتھوں نو بنو خارق العادۃ ایجادات ظاہر فرمارہے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ وقاہرہ کو تسلیم نہ کرنے والوں پر اتمامِ حجت ہوجائے اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ: ''إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ'' وباللہ التوفیق۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی ہوں گے؟

مولانا عمر فاروق لوہاروی

امتِ محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے، کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں باوصفِ نبوت تشریف لائیں گے، تو اپنی شریعت پر عمل نہیں کریں گے، بلکہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے۔ اور یہ مضمون کئی روایات میں نصاً یا اشارتاً بیان ہوا ہے، ان روایات کی تخریج امام احمد، امام بزار، امام طبرانی، امام بیہقی، امام ابوحاتم ابن حبان بستی اور حافظ ابن العساکر جیسے حضرات محدثین رحمہم اللہ نے اپنی اپنی کتابوں میں کی ہے۔ اب سوال یہ ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریعتِ محمدیہ کا علم کس طرح ہوگا؟ کیا آپ ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کی تقلید کریں گے، اور ان کے مسلک کے مطابق فیصلے کریں گے؟ اس سلسلے میں بعض حضرات حنفیہ کہتے ہیں، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کریں گے، فقہِ حنفی پر عمل کریں گے، اور اسی کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔ لیکن یہ قول بے بنیاد ہے۔ اور اس میں ایک جلیل القدر پیغمبر کی تنقیص ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو خود اپنے بارے میں ایسے انداز سے مدح و منقبت بیان کرنے سے تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے، جس سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص لازم آتی ہو، تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مناقب و محاسن بیان کرتے ہوئے ایسی مبالغہ آرائی کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے، جو کسی جلیل القدر نبی اور رسول کی تنقیص کو مستلزم ہو؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا علم و عمل اور فضل و کمال مسلّم ہے، لیکن پیغمبر بالآخر پیغمبر ہے، اس لیے اس ناقابلِ انکار حقیقت کو بھی تسلیم کرنا ہوگا، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام علم و فضل میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یقیناً بڑھے ہوئے ہیں۔

علامہ محمد علاء الدین حصکفیؒ نے اس قول کو اختیار کیا ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد فقہِ حنفی کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔ چنانچہ حضرت موصوف، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب بیان کرتے ہوئے "الدر المختار" میں تحریر فرماتے ہیں: **وحسبک من مناقبه اشتهار مذهبه، ما قال قولاً الا اخذ به امام من الائمة الأعلام، وقد جعل الله الحکم لاصحابه وأتباعه من زمنه الٰی هذه الایام الٰی ان یحکم بمذهبه عیسیٰ علیه السلام** (الدر المختار مع رد المحتار، ص: ۴۲، ج: ۱) "اے مخاطب! تجھے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب میں سے آپ کے مذہب کا مشہور ہونا کافی ہے۔ آپ نے جو بھی بات ارشاد فرمائی، اس کو (آپ کے اصحاب میں سے) ائمہ اعلام میں سے کسی نہ کسی امام نے اختیار کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اصحاب اور متبعین کیلئے آپ کے زمانے سے تادمِ ایں تحریر عہدۂ قضا کو مقرر فرمایا، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے مذہب کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔"

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: **وکأنه اخذه مما ذکره اهل الکشف ان مذهبه آخر المذاهب انقطاعاً،**

لکن لا دلیل فی ذلک علی ان نبی اللہ عیسیٰ علی نبینا و علیه الصلاۃ و السلام یحکم بمذھب ابی حنیفة و ان کان العلماء موجودین فی زمنه فلا بد له من دلیل۔ (رد المحتار علی الدر المختار، ص: ۴۲، ج: ۱) ''گویا صاحب الدر المختار نے اس مضمون کو اہلِ کشف کی اس بات سے مستنبط کیا ہے، کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب دیگر مذاہب کے مقابلے میں سب سے آخر میں ختم ہوگا،لیکن اس میں اس امر پر کوئی دلیل نہیں ہے، کہ نبی اللہ عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق فیصلے فرمائیں گے، اگرچہ علماء ان کے زمانے میں موجود ہوں گے، پس اس امر کے اثبات کے لیے دلیل درکار ہے۔'' درحقیقت علامہ حصکفیؒ نے قہستانی کے اتباع میں اس قول کو اختیار کیا ہے۔اور قہستانی کے متعلق علامہ عبدالحئی فرنگی محلی لکھنویؒ نے علامہ شامیؒ کی کتاب ''تنقیح الفتاویٰ الحامدیة'' کے حوالہ سے لکھا ہے: و القھستانی کجارف سیل و حاطب لیل خصوصا و استفادہ الی کتب الزاھدی المعتزلی (مقدمہ عمدۃ الرعایہ، ص: ۱۱) ''قہستانی سیلاب میں بہہ جانے والے اور اندھیرے میں لکڑی جمع کرنے والے ہیں، بالخصوص وہ جس وقت زاہد معتزلی کی کتابوں سے کسی بات کو لیتے ہیں۔''

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: لقد صدق عصام الدین فی حق القھستانی انه لم یکن من تلامذۃ شیخ الاسلام لا مِن اعالیھم و لا مِن ادانیھم انما کان دلاّل الکتب فی زمانه و لا کان یعرف بالفقه و غیرہ بین اقرانه و یؤیدہ انه یجمع فی شرحه ھذا بین الغث و السمین و الصحیح و الضعیف من غیر تحقیق و تدقیق فھو کحاطب لیل الجامع بین الرطب و الیابس فی اللیل (مقدمہ عمدۃ الرعایہ، ص: ۱۱ بحوالہ شم العوارض فی ذم الروافض) ''عصام الدین نے قہستانی کے متعلق بالکل درست فرمایا ہے، کہ وہ شیخ الاسلام (الہروی) کے نہ بڑے شاگردوں میں تھے نہ چھوٹے؛ بلکہ وہ اپنے وقت میں کتابوں کے ایجنٹ تھے، اور ان کی اپنے ہم عصر علماء کے درمیان علمِ فقہ یا کسی دوسرے علم میں شہرت نہ تھی۔ عصام الدین کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے، کہ قہستانی اس کتاب شرح مختصر الوقایہ (یعنی جامع الرموز) میں بے سوچے سمجھے غلط اور صحیح، بیکار اور درست ہر طرح کی باتیں جمع کر لیتے ہیں، وہ تو ایسے ہیں جیسے اندھیرے میں لکڑی چننے والا، جو خشک و تر میں تمیز نہیں کر پاتا ہے''۔

''انیس الجلساء'' کے حوالہ سے صاحبِ نبراس نے اس سلسلے کا ایک خُرافہ نقل کر کے اس کی زوردار تردید کی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں: تعجب خیز باتوں میں سے ایک بات وہ ہے، جو بعض منسوب الی العلم نے ایک کتاب میں ذکر کی ہے، جس کا نام ''انیس الجلساء'' رکھا ہے، کہ حضرت خضر روزانہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے جاتے تھے، اور آپ سے علومِ شریعت حاصل کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا پانچ سال کے بعد انتقال ہو گیا، تو حضرت خضر علیہ السلام امام صاحب کی قبر پر جانے لگے اور آپ سے علم حاصل کرنے لگے، یہاں تک کہ دوسرے پچیس سال میں مکمل علومِ شریعت کو حاصل کر لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو حکم فرمایا، کہ وہ امام ابوالقاسم قشیری کے پاس جائیں، اور امام ابوحنیفہ سے حاصل کردہ علوم ان کو سکھائیں۔ تو حضرت خضر نے تیس سال میں جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ ان کو تیس سال میں سکھا دیا۔

اس لیے قشیری علم وکرامات میں یگانۂ روزگار ہو گئے۔ انھوں نے ایک ہزار کتابیں تصنیف کیں اور ان کو ایک صندوق میں رکھا، اور اپنے شاگرد کو حکم دیا، کہ وہ اس صندوق کو دریائے جیحوں میں ڈال دے۔ شاگرد نے تعمیلِ حکم کی۔ اس نے دیکھا کہ پانی شق ہوا، اور اس سے صندوق لینے کے لیے ایک ہاتھ نمودار ہوا۔ شاگرد نے شیخ ابوالقاسم سے اس معمہ کے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے فرمایا، کہ جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے، تو کُتبِ شریعتِ محمدیہ کو تلاش کریں گے اور انہیں نہیں پائیں گے، تو جبریل علیہ السلام حاضر ہو کر عرض کریں گے، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے، کہ آپ دریائے جیحوں پر تشریف لے جائیں اور وہاں دوگانہ ادا کر کے کہیں: کہ اے صندوق کے امین! میں عیسیٰ ہوں، مجھے صندوق دے دے۔ تو وہ صندوق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سپرد کر دے گا، اور آپ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر عمل کریں گے۔ صاحب نبراس فرماتے ہیں کہ یہ بڑا بہتان ہے۔ اور کوئی عقلمند آدمی اس بات میں شک نہیں کرے گا، کہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) مجتہدین سے کم درجہ نہیں ہوں گے۔" (النبراس، ص: ۲۸۰)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "**المشرب الوردی فی مذهب المهدی**" میں جہاں اس بات کی تردید کی ہے، کہ حضرت مہدی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کریں گے، وہیں مذکورہ بالا بے بنیاد قصہ کی تردید کی ہے، اور لکھا ہے، کہ اس واقعہ کو نقل کرنا بھی جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ اس کا ابطال وتردید مقصود ہو۔ پھر جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی نہیں ہوں گے، اسی طرح شافعی، مالکی یا حنبلی مسلک کے پیروکار بھی نہ ہوں گے۔ گویا ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کے مقلد نہیں ہوں گے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: **كيف يظن بنبيٍّ انه يقلد مذهبا من المذاهب، والعلماء يقولون: ان المجتهد لا يقلد مجتهدا، فاذا كان المجتهد من آحاد الامة لا يقلد، فكيف يظن بالنبی انه يقلد؟** (الحاوی للفتاوی، ص: ۱۴۸، ج: ۲) "نبی کے بارے میں کیسے یہ گمان کیا جا سکتا ہے، کہ وہ مذاہب میں سے کسی مذہب کی تقلید کریں گے؛ حالاں کہ علماء فرماتے ہیں کہ ایک مجتہد کسی دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کر سکتا ہے۔ جب مجتہد جو امت کے افراد میں سے ایک فرد ہے، تقلید نہیں کر سکتا، تو پھر نبی کے متعلق کیسے یہ گمان کیا جا سکتا ہے، کہ وہ تقلید کریں گے؟"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مقلد نہیں ہوں گے، تو پھر آپ علیہ السلام بعض علماء کے خیال میں مجتہد مطلق ہوں گے، جیسے حضرت مہدی مجتہد مطلق ہوں گے۔ لیکن امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اجتہاد ہی سے فیصلے فرمائیں گے، یہ متعین نہیں ہے۔ اس کے بعد موصوف نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے شریعتِ محمدیہ کے احکام کی معرفت کے ممکنہ چار طریقے تفصیل کے ساتھ ذکر فرمائے ہیں۔ مختصراً وہ چار طریقے حسب ذیل ہیں:

(۱) ممکن ہے تمام انبیاء علیہ السلام کو اپنے اپنے زمانے میں وحیٔ الٰہی سے سابقہ اور لاحقہ تمام شریعتوں کا علم ہوتا ہو۔ چنانچہ احادیث وآثار میں وارد ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد کی بشارت دی، اور آپ ﷺ کی شریعت کے کچھ مسائل ذکر فرمائے، جو اپنی شریعت سے الگ تھے۔ اور اسی طرح کی بات حضرت

موسیٰ اور حضرت داؤد علیہما السلام کے لیے بھی واقع ہوئی ہے۔(۲) یہ بھی ممکن ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام احادیث کی مراجعت کے بغیر محض قرآن مجید کو دیکھ کر شریعت محمدیہ سے متعلق تمام احکام کو سمجھ لیں، جس طرح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان احکام کو قرآن مجید سے سمجھا تھا۔ اس لیے کہ قرآن مجید جمیع احکامِ شرعیہ کو متضمن ہے، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخصوص فہم خداداد سے سمجھا، پھر احادیث میں اپنی امت کے لیے اس کی تشریح فرمائی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں، اس لیے بعید نہیں، کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح آپ بھی محض قرآن مجید سے احکامِ شرعیہ کو سمجھ لیں۔(۳) امام ابونصر تاج الدین سبکی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شمار باوصفِ نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں ہے، اور آپ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمرہ اور جماعت میں شامل ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ کے ساتھ ایمان اور تصدیق کی حالت میں ملاقات ثابت ہے۔ اسی لیے حافظ ابوعبداللہ الذہبی رحمہ اللہ نے "تجرید اسماء الصحابۃ" میں لکھا ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی بھی ہیں اور صحابی بھی۔ اور صحابہ کرام میں سب سے آخر میں (نزول کے بعد) وفات پانے والے ہیں۔ اس اعتبار سے ممکن ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے وقت آپ سے براہِ راست آپ کی شریعت کے احکام معلوم کیے ہوں۔(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد روحانی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کریں گے۔ اس لیے ممکن ہے، کہ آپ سے براہِ راست ضرورت کے احکامِ شریعت حاصل کریں۔ اس طرح آپ کو نہ اجتہاد کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ حفاظِ حدیث میں سے کسی کی تقلید کی۔

ایک سائل کے سوال کے جواب میں امام سیوطی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا چار ممکنہ طریقے ذکر فرمائے، جن میں چوتھا طریق خود موصوف کی رائے تھی، اس کے بعد اس کی تائید کے طور پر تحریر فرمایا، کہ اس کی ایک مدت کے بعد میں ایک سوال پر مطلع ہوا، جو شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے پوچھا گیا تھا۔ صورت سوال یہ تھی، کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد **"ینزل عیسیٰ بن مریم فی آخر الزمان حکمًا"** (حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخری زمانے میں حاکم بن کر نزول فرمائیں گے) کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن عظیم اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے حافظ ہوں گے، یا اُس زمانہ کے علماء سے کتاب وسنت کو حاصل کریں گے اور ان میں اجتہاد کریں گے؟ اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟ تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے جواب دیا اور انھیں کی تحریر سے میں نے نقل کیا کہ:

لم ینقل لنا فی ذلک شيء صریح، و الذی یلیق بمقام عیسیٰ علیہ السلام انہ یتلقی ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیحکم فی امتہ بما تلقاہ عنہ، لانہ فی الحقیقۃ خلیفۃ عنہ ۔ و اللہ اعلم۔ (ترجمہ) "اس سلسلہ میں ہمارے سامنے کوئی صریح چیز منقول نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کے شایان شان بات یہ ہے، کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احکام کو حاصل کریں گے، اور آپ سے حاصل کردہ احکام کے مطابق امتِ محمدیہ میں فیصلے فرمائیں گے، اس لیے کہ آپ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے۔ واللہ اعلم (الحاوی للفتاویٰ ص:۱۴۸ تا ص:۱۵۴ و ص:۱۵۷، ج:۲)

راقم الحروف کہتا ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احکامِ شریعت محمدیہ کا علم کس طرح ہوگا؟ اس کے متعلق ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے: **ویعلمه الکتب والحکمة والتوٰرة والانجیل**" (آل عمران: ۴۸) (اور اللہ ان کو کتاب وحکمت اور توراۃ وانجیل کی تعلیم فرمادیں گے) اس میں "**الکتب**" سے قرآن مجید اور "**الحکمة**" سے سنت والی تفسیر مراد لی جائے، اور کہا جائے کہ اہتمامِ شان کے لیے توراۃ وانجیل سے کتاب وحکمت کو لفظاً مقدم کیا گیا ہے۔ گویا نزول کے بعد خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب وسنت کی تعلیم فرمادیں گے۔ اور یہ بات اتنی قطعی ہے، کہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر توراۃ وانجیل کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم کو بھی فعل ماضی کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے: "**واذ علّمتک الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل**" (المائدہ: ۱۱۰) (اور جب کہ میں نے تم کو کتاب وحکمت اور توراۃ وانجیل تعلیم کیں)۔ سطورِ بالا سے یہ بات واضح ہوگئی، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قُربِ قیامت میں نزول کے بعد شریعتِ محمدیہ پر عمل کریں گے، یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے، لیکن قرآن وسنت میں اس بارے میں کوئی تصریح نہیں ہے، کہ آپ کو شریعتِ محمدیہ کا علم کس طرح ہوگا؟ اس سلسلے میں حضرات علماء کرام نے ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کی تقلید کے علاوہ جو طریقے ذکر فرمائے ہیں، وہ سب بدرجۂ امکان واحتمال ہیں، لہٰذا اس کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے۔

جہاں تک معاملہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کی تقلید کا، تو اس کے لیے جہاں نقل ندارد ہے، وہیں عقلِ صحیح بھی اس کو روا نہیں رکھتی ہے، کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص لازم آتی ہے، لہٰذا کشف وغیرہ سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی ہوں گے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے تو حضرت مہدی کے متعلق جنھوں نے لکھا ہے، کہ وہ حنفی ہوں گے، اس کو بھی "غلو" قرار دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا پورا ملفوظ ہی نظرِ قارئین کردوں۔ "ملفوظاتِ حکیم الامت" میں ہے: "ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! بعض لوگوں نے یہ مشہور کیا ہے، کہ امام مہدی نقشبندی ہوں گے (حضرت حکیم الامتؒ نے) فرمایا کہ یہ تو میں نے نہیں سُنا؛ البتہ بعض حنفیوں نے لکھا ہے کہ وہ حنفی ہوں گے، مگر یہ غلو ہے۔ غالباً یہ ہوگا کہ امام مہدی کا اجتہاد امام صاحب کے اجتہاد پر منطبق ہوجائے گا۔ باتیں دعوے کی دل کو نہیں لگتیں، اس میں تو ایک گونہ اہانت ہے امام مہدی کی۔ ان کا طرز صحابہ کا سا ہوگا، وہ نہ نقشبندی ہوں گے نہ چشتی نہ حنفی۔ وہ تو دین کے ہر شعبہ میں خود مستقل شان رکھتے ہوں گے۔" (ملفوظات حکیم الامت، ص: ۹۰، ج: ۵، ملفوظ: ۹۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام حضرت مہدی سے بلاشبہ بڑھا ہوا ہے، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حنفی کہنا یا لکھنا بدرجۂ اولیٰ غلو ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مجتہد مطلق ماننے کی تقدیر پر بالفرض آپ کا کل یا اکثر اجتہادات حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادات پر منطبق ہوجائے، تب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہرگز ہرگز حنفی نہیں کہا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے بیانات وتحریرات میں اس طرح کی تعبیر استعمال کرنے سے کلی طور پر احتراز کرنا چاہیے۔ واللہ الموفق

تجدُّد پسندی کا فتنہ اور اس کے تازہ خدوخال

مولوی محمد احمد

زمانے کے اطوار جس طرح ایک جیسے نہیں رہتے، اسی طرح انسان بھی ایک جیسے نہیں رہتے۔ ہر صدی میں لوگوں کے مزاج، افکار اور رہن سہن کے طریقے بدلتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات نیک بندوں کی جگہ عاصی و خطاکار لے لیتے ہیں اور بعض اوقات تو گناہ گاروں کی جگہ مقربینِ الٰہی جلوہ افروز ہوجاتے ہیں۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کو وہی صلاحیتیں عطا کرتے ہیں، ایسی صلاحیتیں جو زندگی کے ان دوراستوں کو قبل از وقت نمایاں کردیتی ہیں، جن سے ہماری مابعد الموت کی زندگی کا پتا چلتا ہے، اب صاحبِ صلاحیت کے لیے انتخاب ہوتا ہے کہ یا تو وہ ہدایت کا راستہ چن کر فوز وفلاح سے سرفراز ہوجائے اور یا گمراہی کے دلدل میں پھنس کر ناکامی ونامرادی کا قلادہ پہن لے۔ اس زمانے میں کچھ لوگ صراطِ مستقیم کی راہ پکڑے ہوئے ہیں تو کچھ اپنی گمراہی کے ساتھ اُمت مسلمہ کو بھی ضلالت کے گڑھے میں دھکیلنے کی کوشش کررہے ہیں۔

کوئی بھی فتنہ جب پروان چڑھتا ہے تو اس کے پیچھے کئی سارے راز پنہاں ہوتے ہیں۔ اس زمانے کے فتنہ پرور اور شر پسند لوگ متجدّدین کہلاتے ہیں، جن کو اس زمانے کے معتزلہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ لوگ ایسا فتنہ برپا کیے ہوئے ہیں جو احکاماتِ الٰہی اور معجزاتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کو عقل کے ذریعے تسلیم کرنے اور ماوراء العقل کو پس پشت ڈالنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر فتنہ برپا اس وقت ہوتا ہے جب عوام بے لگام اس سامری فتنے کو بنی اسرائیل کی طرح پروان چڑھاتے ہیں۔

پس منظر: دراصل یہ فتنہ مغربی ممالک کی پیداوار ہے، جن کے ہاں یہ باور ہو ہی چکا ہے کہ دینِ اسلام ایسا مقبول دین ہے جو انسان کی فطرت میں داخل ہے اور پوری دنیا میں بڑی سرعت سے پھیل سکتا ہے، چنانچہ اسلام دشمن اس کو دبانے کی کوشش میں لگ گئے، اسی سلسلے میں مسٹر فرناؤ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ: ''مسلم آبادی مشرق ومغرب کے وسط میں ہے جس وجہ سے ان کو حربی وجنگی استقامت حاصل ہے اور جو چیز ان میں کثیر الوقوع ہوگی وہ مشرق ومغرب تک پھیلے گی۔''

چنانچہ کہا گیا کہ دینِ اسلام کی اَساس قرآن وسنت کو مشکوک بنا کر ان میں تفرقہ ڈال دیا جائے، تاکہ یہ لوگ اپنی حدود تک محصور ہو کے رہ جائیں، اس سلسلے میں انہوں نے مختلف وار کیے۔ 1- جس طریقے سے دین اسلام پھیلا تھا، اسی طریقے کو ملحوظِ خاطر رکھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کو بطور نبی پیش کیا گیا، جس نے اسلام کے ہر حکم کو تبدیل کرنے کی کوشش کی، دین کی سربلندی کے لیے جہاد کو امن کے نام پر ختم کرنے کا حکم دیا، تاکہ اسلام کی مزید اشاعت نہ ہو اور فرائض وواجبات میں اختیار کا نظریہ دیا، تاکہ دین اسلام برائے نام رہ جائے۔ 2- مسلم ممالک میں حرام چیزوں سے بنائی گئی مصنوعات

پھیلائیں، تاکہ انہیں رزق میں بے برکتی کے باعث معاشی اعتبار سے کمزور کرسکیں۔3-مغرب نے سائنسی اصولوں کی بنیاد پر جس "نئی تہذیب" کی شجرکاری کی، وہ مذہب کے احکامات اور حدود کے بالکلیہ متضاد ہے، جسے آزادی اور روشن خیالی کا نام دیا جاتا ہے کہ آپ کسی کے حکم کے بھی ماتحت نہ ہوں، یہی نئی تہذیب پوری دنیا میں پھیلائی گئی، مسلم ممالک میں اسی نظام کے تحت ان کے سرکاری نظام میں مداخلت کرکے ایسا نظامِ تعلیم ترتیب دیا جس سے متجددین کی ایک کھیپ وجود میں آئی جو قرآن وسنت سے زیادہ سائنسی علوم سے ماخوذ عقلی اصولوں پر بنائی گئی نئی تہذیب کے دلدادہ اور انگریزی تعلیم کے پروردہ تھے۔اپنے اعتزال کے زہر کو اُمت مسلمہ میں پھیلاتے رہے اور ایسی باریک بینی دکھائی کہ اہلِ علم کا ایک کنبہ بنسبت جاہل کے قرآن وسنت چھوڑ کر عقل کے پہیے کے گرد گھومنے پر آمادہ ہوگیا۔

4-اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے نصاب کو ایسے طرز وطریقے سے ترتیب دیا جس سے دین اسلام کی پابندیاں ختم ہوئیں اور تقلید کرنے والوں کو احکاماتِ الٰہی میں ذاتی اختیار رکھنے کی تعلیم ہوئی۔ان سب کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ عقل ہی ان کے لیے مشعلِ راہ اور قابلِ تقلید بن گئی اور قرآن وحدیث اور معجزاتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات پر عمل اور اقرار ثانوی درجے کی چیزیں قرار پائیں، گویا عقل کو اصل کا درجہ دے کر قرآن وسنت کو بے اصل کہہ دیا گیا، العیاذ باللہ!

اُمتِ مسلمہ پر اس فتنے کے اثرات: اب لوگوں کا حال یہ ہے کہ قرآن وسنت کے احکام اور معجزاتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں جو بھی ماوراء العقل بات سامنے آتی ہے تو کھلم کھلا انکار کرتے ہیں کہ ان کو ہماری عقل قبول نہیں کرتی۔اسی طرح بعث بعد الموت، احوالِ میدانِ حشر اور دوزخ وجنت کو محض خیالی تصور قرار دیتے ہیں۔الأمان والحفیظ

متجددینِ زمانہ کی سیاہ کاریاں: چونکہ دینِ اسلام کی اَساس قرآن وسنت میں ہے، اسی تناظر میں انہوں نے قرآن وسنت پر متعدد وار کیے:

1-قرآن میں تحریف کرنا: متجددین جب قرآن میں لفظی تحریف کرنے سے عاجز ہوئے تو معنوی تحریف میں لگ گئے اور بغیر کسی دلیل اور قرینے کے قرآن کے ظاہری اور حقیقی معنی کو چھوڑ کر غیر ظاہر معنی (جو ان کی عقل تسلیم کرتی ہے) مراد لینے لگے۔

2-قرآن کی متشابہات کے پیچھے پڑنا: اہلِ سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کی متشابہات کا علم سوائے اللہ کے کسی کے علم میں نہیں اور ان متشابہات سے جو بھی اللہ کی مراد ہے، ہمیں محض اس کے حق اور سچ ہونے کا اعتقاد رکھنے کا کہا گیا ہے اور جو شخص ان کے پیچھے پڑے گا، نہ تو اس کو خالص توحید حاصل ہوگی اور نہ ہی صحیح اور کامل ایمان، وہ شخص کفر اور ایمان کے درمیان متذبذب ہوجائے گا۔متجددین کا حال اس سے مختلف نہیں۔اپنے باطل نظریہ کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک چیز نازل ہوئی اور اس کی مراد اور مطلب کا کسی کو علم نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمادیا ہے: "وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ" کہ میرے علاوہ ان تاویلات اور متشابہات کا علم کسی کو نہیں۔

3-اسلام کی ریسرچ کا فتنہ: آج کل کے متجد دین اسلام کے شرعی احکام کی ریسرچ کرنا چاہتے ہیں، تا کہ ان میں حد درجے شکوک وشبہات پیدا کرسکیں اوران مسائل واحکام میں ایسی اختراعات داخل کردیں جو قرآن وحدیث میں بیان تک نہیں اورنہ ہی کسی صورت میں قرآن وحدیث ان اختراعات پر دلالت کرتے ہیں۔

4-توہینِ قرآن: تمام غیر مسلم ممالک اسلام کی بنیاد کو منہدم کرنے اوراس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ آئے روز دین اسلام کی مقدسات کی بے حرمتی کرکے مسلمانوں کے ایمان کا احتساب کیا جاتا ہے اور جرأت اتنی کہ حکومتی سطح پر ہرزہ سرائی کی جاتی ہے۔ کبھی حرمتِ رسول جیسی نازیبا حرکت کی جاتی ہے تو کبھی شانِ صحابہ میں گستاخی کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ جب مغربی ممالک متجددین کے پس پردہ قرآنی احکام کی مخالفت اورانکارکرکے دین اسلام کمزور نہ کرپائے تو نعوذ باللہ! وہ قرآن کریم کی توہین پر اُترآئے اوراعلانیہ قرآن کریم کو نذرآتش کرنے لگے۔

جب عقل سے کچھ بن نہیں پاتا تو یہی بے ایمان خلافِ عقل کام کرنے لگ جاتے ہیں، یہ لوگ اللہ کی پکڑ سے دور نہیں، ضرور نشان عبرت بنیں گے۔ علمائے کرام کا سائنس کو قرآن سے ثابت کرنا جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ فتنۂ تجدُّد پسندی مغرب کی شجرکاری کا عملی نمونہ ہے اور یہ فتنہ سائنسی علوم سے بنائی گئی مغرب کی نئی تہذیب سے پروان چڑھا، چنانچہ سانحہ یہ ہے کہ ہمارے بعض علماء نے ایسی تصانیف فرمائی ہیں، جن میں قرآن کریم کی روشنی میں سائنسی علوم کو ثابت کیا گیا ہے جو کہ قرآن میں شک پیدا کرنے والی بات ہے۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مضامین میں یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ وہ مصر گئے تو وہاں کے بڑے عالم اور محقق سے ملاقات ہوئی، انہوں نے شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ آپ نے میری تصنیف کا مطالعہ کیا؟ انہوں نے سائنسی اصول وقواعد کو قرآن سے ثابت کیا تھا، تو شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا: جی! تصنیف کا مطالعہ تو ہوا، لیکن اس طرح کی تصنیف فرما کر آپ نے قرآن میں شک پیدا کردیا جو آج نہیں تو کل ضرور ہوگا، اس لیے کہ سائنس کے اصول وضوابط ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، ترقی کے ساتھ ان میں ردوبدل ہوجاتی ہے، آج آپ نے جن قواعد کو قرآن سے ثابت کیا، کل وہ قواعد کچھ اور ہوں گے اور آپ کا ثابت کیا ہوا کچھ اور ہوگا۔

فتنۂ تجدُّد پسندی کا انسداد: مغرب نے جس شجرِ خبیث کو بویا اور جس نئی تہذیب سے فتنۂ تجدُّد پسندی نے سر اُٹھایا، اب اس شجرِ خبیث کی جڑیں کاٹنے کی ضرورت ہے، تا کہ مغرب سے پھیلائی گئی شاخیں مرجھا کر نیست ونابود ہوجائیں، اس لیے کہ مغربی تہذیب لامذہب ہونے کے مترادف ہے، جس میں نہ حق تعالیٰ کی توحید کا اعتقاد ہے اور نہ ہی اس کے احکام کی پابندی اور نہ ہی اس کے برگزیدہ بندے انبیاء ورسل (علیہم السلام) کے وجود کا اقرار ہے، جو شخص بیک وقت (مذہب اسلام اور مغربی تہذیب) دونوں کشتیوں پر سوار ہونا چاہے گا، وہ مغربی تہذیب کا دلدادہ ہوجائے گا، حالانکہ مسلمان ہونے کے بعد شرعی حدود کی پاسداری ہی ایمان کی پہچان ہے۔

شکیلیوں کے بے تکے سوالات کا اجمالی جائزہ

قسط نمبر:۱ مفتی محمد اکمل یزدانی

شکیل بن حنیف اور اس کے پیروکاروں کی جانب سے دوران گفتگو جو سوالات اور دعوے عام طور پر کیے جاتے ہیں اور عوام الناس کو گمراہ کرنے کی بے جا کوششیں کی جاتی ہیں، ان کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے:

(۱) بات صحاح ستہ سے ہوگی اور کسی کتاب سے نہیں۔(۲) پیشینگوئیاں غیب کا علم ہے جو وقت پر پرکھا جاتا ہے، اور پرکھنے والا شخص وہ شکیل بن حنیف ہے۔(۳) حدیث ابن ماجہ میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام بتائے گئے ہیں۔(۴) بخاری و مسلم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صاف صاف پیدا ہونے کا ذکر ہے۔(۵) حضرت مہدی کا نام محمد بن عبداللہ ہی ہوگا، حدیث میں ایسی صراحت نہیں ہے۔(۶) عیسیٰ علیہ السلام جس امام کو نماز کے لیے آگے آنے کے لیے کہیں گے اس میں مہدی کی وضاحت نہیں ہے۔ وہ امام کوئی بھی ہوسکتا ہے۔(۷) حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ حدیث سے ''من السماء'' کا لفظ پیش کیجیے۔

مذکورہ امور کے علاوہ مختلف قسم کے بے تکے سوالات اور ایک ہی بات کو مختلف پیرائے میں پیش کرکے عوام الناس اور کم پڑھے لکھے لوگوں کو حق سے ہٹانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ جیسا کہ آگے آرہے سوالات کو پڑھ کر ہر شخص اس حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ راقم الحروف نے سوالات کی نزاکت اور سائل کی منشاء کو مدنظر رکھ کر جوابات دینے کی کوشش کی ہے۔

سوال نمبر-۱۔ بات صحاح ستہ سے ہوگی اور کسی کتاب سے نہیں۔

جواب:-۱۔ عام طور پر شکیل بن حنیف اور اس کے پیروکاروں کو یہ دھوکہ رہتا ہے کہ احادیث کے باب میں حدیث کی مشہور صرف چھ کتابیں (صحاح ستہ) ہی معتبر ہیں اور صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتابیں زیادہ قابل لحاظ نہیں ہیں؛ چنانچہ شکیلی پیروکار جب کسی کم علم والے ساتھی سے بات کرتے ہیں تو پہلے تو علماء کی مذمت کرکے ان کا رشتہ علماء سے کاٹ دیتے ہیں اور ساتھ ہی دھڑلّے سے یہ بھی کہتے ہیں علماء جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحاح ستہ سے ثابت نہیں کرسکتے، جس سے کم علم رکھنے والا عام آدمی اس شکیلی داعی کے شکنجے کا شکار ہوجاتا ہے اور بے خوف عوام الناس کے سامنے چیلنج کرتا پھرتا ہے کہ علماء صحاح ستہ سے مہدی اور مسیح کو الگ الگ اور عیسیٰ ابن مریم کے آسمان سے نزول کو ثابت کرکے دیکھائیں۔ اور جب علماء عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کو ثابت کردیتے ہیں تو شکیلی یہ کہہ کر صاف انکار کردیتے ہیں کہ یہ صحاح ستہ میں نہیں ہے؛ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دراصل ان شکیلیوں کو صحاح ستہ پر بالکل کوئی اعتماد نہیں ہے؛ چنانچہ جب ان کے سامنے صحاح ستہ کی روایت پیش کردی جاتی ہے تو اسے ضعیف کہہ کر انکار کردیتے ہیں، بھلے ہی وہ حدیث صحیح کیوں نہ ہو۔

جب کہ کسی بھی روایت کی صحت وضعف اور مقبول ومردود کی بنیاد صحاح ستہ کو ہی بنانا اور حدیث کی دیگر کتابوں سے کنارہ

کشی کرنا یہ سب سے بڑی بھول اور شیطانی وسوسہ ہ۔ یہ ایک ایسا وسوسہ ہے جس نے دنیا میں کئی فرقے پیدا کردیے۔اور آج بھی کئی انصاف پرور لوگ ذہنی الجھنوں کے شکار ہیں؛ جب کہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ احادیث کی صحت وضعف اور مقبول ومردود کی بنیاد ان کی سند اور راویوں کے حالات پر ہے، وہ احادیث خواہ صحاح ستہ میں ہو، یا صحاح ستہ سے پہلے کی کتب حدیث میں ہو یا صحاح ستہ کے بعد کی کتب حدیث میں اور یہ اس لیے کہ صحاح ستہ کوئی شرعی اصطلاح نہیں ہے کہ دین کی ہر بات سے متعلق انھیں میں روایات کا موجود ہونا ضروری ہو اور ان کتابوں کے علاوہ کسی حدیث کی کتاب میں موجود روایت پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی صحاح ستہ کے کسی بھی مصنف نے یہ دعویٰ کیا کہ میری کتاب صحاح ستہ میں شامل ہونا چاہیے؛ بلکہ ان کتابوں کی جودت ترتیب اور حسن ابواب کی بناء پر صحاح ستہ کے مصنّفین کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے مدتوں بعد صحاح ستہ کی اصطلاح برصغیر میں وجود میں آئی اور بعد میں پڑھنے پڑھانے کے اعتبار سے محدثین کا تعامل بن گیا۔

کیا شکیل بن حنیف یا اس کے پیروکار صحاح ستہ کی کوئی شرعی حیثیت قرآن وحدیث کی روشنی میں بتاسکتے ہیں؟ کیا صحاح ستہ کی اصطلاح کو متفق علیہ ثابت کرسکتے ہیں؟ کیا صحاح ستہ کی ہر حدیث صحیح ہے اور صحاح ستہ کے علاوہ ہر حدیث غیر صحیح اور ضعیف یا موضوع ہے؟ کیا صحاح ستہ کے مصنّفین میں سے کسی نے اپنے ماقبل کی کسی بھی حدیث کی کتاب کو ماننے سے انکار کیا ہے؟ کیا صحاح ستہ کے مصنّفین میں سے کسی ایک نے بھی اپنی اپنی کتاب کو حدیث کی بنیاد اور اساس کے طور پر پیش کیا ہے؟ کیا اللہ کے رسول ﷺ سے منقول ساری حدیثیں صحاح ستہ میں جمع کردی گئی ہیں؟ کیا صحاح ستہ اور ان سے ماقبل کی ساری کتابوں میں اللہ کے رسول کی ساری حدیثیں جمع ہوگئی تھیں کہ ان کتابوں کے بعد حدیث کی کسی کتاب کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی؟ کیا صحاح ستہ کے مصنّفین نے اپنے سے پہلے محدثین کی کتابوں سے ہی احادیث اخذ کی ہیں یا کچھ روایتیں ایسی بھی تھیں جو سند کے اتصال وغیرہ کا لحاظ رکھ کر اپنی کتابوں میں جمع کی ہیں، خواہ وہ پہلے کی کتب حدیث میں ہوں یا نہ ہوں، چونکہ صحاح ستہ کے مصنّفین کا دور تیسری صدی کا دور ہے۔

تو ظاہر ہے یہ حضرات مصنّفین اپنی اپنی صحیح میں جن روایتوں کو لے کر آئے ہیں وہ روایتیں یا تو ان سے پہلے کی کتابوں میں ہوں گی، یا پھر راویوں سے براہ راست ملاقات کرکے اور ہر راوی نے اپنے سے پہلے کے راوی کے حوالہ سے روایتیں جمع کی ہونگی۔اگر یہ صورت حال ٹھیک ہے اور ایسا ہی ہے تو پھر صحاح ستہ کے بعد کی کتابوں میں یہ صورت حال ٹھیک کیوں نہیں ہے۔بیہقی وغیرہ کو صحاح ستہ کے بعد کی کتاب مان کر انکار کیوں کردیا جاتا ہے؟اس طرح کے بے شمار سوالات پیدا ہوں گے جن کا شکیل بن حنیف اور اس کے پیروکار کے پاس یقینا کوئی جواب نہیں ہے۔لہٰذا حدیث کے مقبول ومردود ہونے کی بنیاد واساس صحاح ستہ کو ہی ٹھہرانا سرے سے ہی غلط ہے؛ کیوں کہ صحاح ستہ کی ہر حدیث صحیح ومقبول نہیں ہے اور غیر صحاح ستہ کی ہر حدیث ضعیف وموضوع اور غیر مقبول نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صحاح ستہ میں اکثر روایتیں صحیح اور بعض روایتیں ضعیف یہاں تک کہ موضوع ومن گھڑت بھی ہیں اور غیر صحاح ستہ کتب میں بھی اکثر روایتیں صحیح وحسن ہیں؛ کیوں کہ صحاح ستہ کے مصنّفین نے تمام ہی صحیح روایتوں کے استحصار کے دعوے نہیں کیے کہ غیر صحاح ستہ کتب حدیث کو نظرانداز کردیا جائے۔

ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ ابن مریم اور خروج دجال سے متعلق خیر القرون سے لے کر ہر دور میں امت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے کہ حضرت محمد بن عبداللہ مہدی مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے، حضرت عیسیٰ ابن مریم آسمان سے دمشق میں اتریں گے اور دجال جو عجیب الخلقت انسان ہے، اسے قتل کریں گے تو اسے ماننے سے انکار کیوں کیا جا رہا ہے؟ بہرکیف صحاح ستہ کا نام لے کر عوام کو دھوکہ دینا یہ کہیں سے بھی روا نہیں ہے۔ اچھا ایک بات اور بتاؤ جب ظہور مہدی، نزول عیسیٰ ابن مریم اور خروج دجال سے متعلق صحاح ستہ کی روایتیں ہی تمہاری نظر میں اساس و بنیاد ہیں، جیسا کہ تم عوام الناس کو صحاح ستہ کے نام سے دھوکہ دینے کی ناپاک کوششیں کرتے ہو تو کیا تم نے کبھی اپنے (حضرت جی شکیل بن حنیف) کی کتاب ''حضرت مہدی علیہ السلام کی آمد کی پیشینگوئیاں'' نہیں پڑھیں، جس میں صحاح ستہ کی روایتیں کم، دیگر حدیث کی کتابوں سے روایتیں زیادہ لی گئی ہیں اور من چاہی تشریح سے اپنے ناپاک دعویٰ کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ اگر نہیں تو ایک بار ضرور پڑھیے؛ تاکہ حقیقت تمہارے سامنے واضح ہو جائے۔

صحاح ستہ اصطلاح کی حقیقت: محدثین کے یہاں صحاح ستہ کی اصطلاح کو بہ تدریج فروغ ملا ہے، سعید بن سکن متوفی ۳۵۳ھ نے چار کتب حدیث، بخاری، مسلم، سنن ابی داؤد اور نسائی شریف ہی صحاح کتب حدیث قرار دیا ہے: **هذه قواعد الاسلام، كتاب مسلم و كتاب البخاری و كتاب ابی داؤد و كتاب النسائی (شروط الائمه الستة ص ۱۶)** گویا یہ صحاح اربعہ کے قائل تھے، یہی نظریہ حافظ ابوعبداللہ بن مندہ نے اپنی مخرجین صحاح میں پیش کیا ہے۔ ترمذی شریف کو کافی بعد میں حافظ احمد بن محمد ابوالطاہر السّلفی متوفی ۵۷۶ھ نے صحاح اربعہ میں شامل کرتے ہوئے صحاح خمسہ کی اصطلاح ایجاد فرمائی؛ چنانچہ علماء اور حفاظ حدیث بالخصوص حافظ ابن الصلاح اور امام نووی بھی انھیں پانچ کتابوں کے کتب اصول ہونے کے قائل رہے اور اسی پس منظر میں امام ابوبکر حازمی نے ''**شروط الائمة الخمسة**'' تالیف فرمائی۔

جہاں تک ابن ماجہ کی شمولیت کا سوال ہے تو اس کتاب کی جودت ترتیب اور مسائل کے باب میں کثیر النفع ہونے کی وجہ سے اسے صحاح ستہ میں شامل کرنے والے سب سے پہلے محمد بن طاہر بن علی المقدسی متوفی ۵۰۷ھ ہیں۔ جب کہ آپ ہی کے معاصر محدث رزین بن معاویہ عبدری مالکی متوفی ۵۲۵ھ نے صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ابن ماجہ کی بجائے **موطأ امام مالک** کو قرار دیا ہے۔ ابن الاثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (تدریب الراوی ص ۵۶) بقول محدث ابوالحسن سندھیؒ اکثر متاخرین کتب ستہ میں چھٹی کتاب کی حیثیت سے ابن ماجہ ہی کو مانتے ہیں۔ اور بقول علامہ کتانیؒ بعض حضرات صحاح ستہ کی بجائے صحاح سبعہ کے قائل ہیں۔ پھر بعض حضرات موطا کی جگہ مسند دارمی کو صحاح سبعہ میں شامل مانتے ہیں۔

صحاح ستہ کی اصطلاح کی حقیقت اس طرح ہے: پہلا دور: صحاح اربعہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی) دوسرا دور: صحاح خمسہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی) تیسرا دور: صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ) چوتھا دور: صحاح سبعہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور موطا امام مالک، بعض نے مؤطا امام مالک کی جگہ مسند دارمی کو جگہ دی ہے)

خلاصہ یہ کہ صحاح ستہ کوئی شرعی اصطلاح نہیں ہے؛ بلکہ صحاح ستہ کے مصنّفین کے وصال کے بعد یہ اصطلاح بہ تدریج رائج ہوئی، اس

پر بھی ائمہ محدثین کا اختلاف موجود ہے، لہٰذا دین کے کسی مسئلہ کے ثبوت کا انحصار صحاح ستہ پر ہی رکھنا کہیں سے روا نہیں ہے۔ لہٰذا شکیل بن حنیف اور اس کے پیروکاروں کے اس طرح کے دعوے کہ ''بات صرف صحاح ستہ سے ہی ہوگی'' یہ ان کی کم علمی اور کم عقلی کی بات ہے۔ یہ اور بھی واضح کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ صحاح ستہ کے مصنّفین نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام روایتوں کو اپنی اپنی کتابوں میں نہ تو جمع فرمایا ہے اور نہ ہی ان حضرات مصنّفین نے تمام روایتوں کے استیعاب کے دعوے کیے ہیں؛ بلکہ امام بخاری نے یہاں تک لکھا ہے کہ: **ما ادخلت فی کتاب الجامع الا ما صح وترکت من الصحاح لحال الطول** (میں نے جامع بخاری میں صحیح روایتوں کو لیا ہے اور صحاح میں سے بہت ساری روایتوں کو طوالت کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے) (حضرت خلیفہ مہدی ص: ۶۷ بحوالہ مقدمہ ابن الصلاح ص: ۲۶)

بہر کیف شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مطابق چھ کتابیں جو کہ اسلام میں مشہور ہیں، محدثین کے مطابق وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ ہیں۔ ان کتابوں میں حدیث کی جتنی قسمیں ہیں صحیح، حسن اور ضعیف، سب موجود ہیں اور ان کو صحاح کہنا تغلیب کے طور پر ہے۔ (ماہنامہ دارالعلوم، بحوالہ اشعۃ المعات) اور بقول مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ''صحاح ستہ کے نام سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ہر حدیث صحیح ہے اور بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ کوئی حدیث صحیح نہیں؛ لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نہ صحاح ستہ کی ہر حدیث صحیح ہے اور نہ اُن سے باہر کی ہر حدیث ضعیف ہے؛ بلکہ صحاح ستہ کی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان چھ کتابوں کو پڑھ لے اس کے سامنے اصولِ دین سے متعلق صحیح روایات کا ایک بڑا ذخیرہ آجاتا ہے، جو دین کے معاملات میں کافی ہے۔ (درس ترمذی، مقدمہ ۱۲۶/۱)۔

الحاصل صحاح ستہ کا نام لے کر محض کم فہم مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ شکیل نے خود اپنی کتاب ''امام مہدی علیہ السلام کی آمد کی پیشین گوئیاں'' میں صحاح ستہ کے علاوہ بہت بعد کی کئی کتابوں سے روایتیں نقل کی ہیں اور من گھڑت معنی کرکے اپنی شیطانی جال میں پھنسانے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ شکیلی پیروکاروں کا دعویٰ کہ ''بات صرف صحاح ستہ سے ہوگی اور مطلب و ترجمہ ہمارے حضرت جی شکیل بن حنیف کا ہوگا'' یہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

بخاری کی روایت: ''**کیف انتم اذا نزل عیسیٰ ابن مریم فیکم و امامکم منکم**'' اور ابن ماجہ کی روایت ''**لا المھدی الا عیسی ابن مریم**'' کا ترجمہ و مفہوم جو شکیل بن حنیف یا اس کے پیروکار سمجھ رہے ہیں، یہ ترجمہ و مفہوم خیر القرون سے لے کر آج تک امت کے کسی بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے فرد نے نہیں کیا اور نہ سمجھا؛ بلکہ صاف لفظوں میں یہی تشریح فرمائی ہے کہ جب عیسی ابن مریم دمشق میں آسمان سے اتریں گے تو نماز فجر (پہلی نماز) میں امام حضرت محمد بن عبداللہ المہدی ہوں گے، اس کے بعد بقیہ ساری نمازوں میں حضرت عیسی ابن مریم امام ہوں گے اور حضرت مہدی اُن کی اقتدا فرمائیں گے؛ جب کہ حدیث ابن ماجہ کو صحیح مان لینے کی شرط پر ائمہ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے یہی سمجھا کہ کامل مہدی اور گناہوں سے معصوم اپنے دور میں صرف حضرت عیسیٰ ابن مریم ہوں گے۔ اس میں کہیں نہیں کہا گیا کہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام الگ الگ دو شخصیتیں نہیں ہیں۔ (جاری)

فقہ وفتاویٰ

ادارہ

نابالغ بچوں کے ہدایا اور تحائف کو والدین کا استعمال کرنا:

سوال......:ہمارے معاشرے میں نابالغ بچوں کو بہت سے ہدایا اور تحائف مختلف رشتہ داروں اور مکتب ومدرسہ کی طرف سے انعام کی شکل میں دئے جاتے ہیں، کبھی وہ نقدی کی صورت میں ہوتے ہیں، اور کبھی استعمال کی چیزوں کی شکل میں۔ پوچھنا یہ ہے کہ:۱-کیا والدین ان ہدایا کو اپنی دیگر اولاد پر خرچ کر سکتے ہیں، یا ذاتی استعمال میں لاسکتے ہیں؟ بسا اوقات وہ کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہوتے ہیں، تو کیا گھریلو استعمال کے لئے نہیں نکال سکتے ہیں؟ ۲۔ بہت سے ہدایا ایسے ہوتے ہیں، جو وقت گذرنے پر خراب ہو سکتے ہیں، جیسے کہ پلاسٹک کی اشیاء اور الیکٹرانک مصنوعات، تو ان کا کیا کیا جائے؟ ۳۔کیا والدین ان تحائف کی قیمت اس بچہ کو ادا کر کے اس کے مالک بن سکتے ہیں؟

جواب......نابالغ بچوں کو کسی تقریب وغیرہ میں رشتہ داروں یا اہل تعلق کی طرف سے جو ہدیہ یا تحفہ دیا جاتا ہے اس سے کبھی اس خاص بچہ کو دینا مقصود نہیں ہوتا؛ بلکہ ماں باپ کو دینا مقصود ہوتا ہے اس لئے وہ ہدیہ (رقم) بچہ کی ملک نہیں؛ بلکہ ماں باپ اس کے مالک ہیں جو چاہیں جو کریں؛ البتہ اگر کوئی شخص خاص بچہ ہی کو کوئی چیز دیوے تو پھر وہی بچہ اس کا مالک ہے۔

(۱) جو چیز نابالغ کی ملک ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اسی بچہ ہی کے کام میں لگانا چاہئے والدین نہ دیگر اولاد پر خرچ کر سکتے ہیں اور نہ ہی خود اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں۔ (حوالہ بالا) برتن وغیرہ اگر بچہ کے استعمال میں آتے ہوں تو گھریلو استعمال کے لئے نکالنا جائز ہے۔ (۲) جو ہدایا وقت گذرنے پر خراب ہو سکتے ہیں اور فی الحال بچہ ان کو استعمال نہیں کر سکتا تو اس کو فروخت کر کے قیمت کا بچہ کو مالک بنا دیا جائے۔ (۳) والدین بھی ان تحائف کی قیمت بچہ کو ادا کر کے مالک بن سکتے۔

بجلی چوری کا حکم

سوال......بجلی کی کنڈی لگانے سے یا میٹر کو سلو کرنے سے جو بجلی چوری کی جاتی ہے تو کیا اس چوری کی بجلی سے جو پانی کا پمپ چلتا ہے اور کپڑے بھی استری ہوتے ہیں اور پھر اسی پانی سے ہم وضو کرتے ہیں اور ان کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں، اور اسی چوری کی بجلی سے اگر ہم کھانا بھی پکائیں تو کیا اس سے نماز، کھانا بھی حرام ہو جاتا ہے یا صرف بجلی کی چوری کا گناہ ہوگا؟

جواب......جس طرح شخصی املاک کی چوری شرعاً حرام ہے، اسی طرح حکومتی املاک جیسے بجلی وغیرہ کی چوری بھی شرعاً حرام ہے۔ خلاف ضابطہ چوری اور چھپکے بجلی استعمال کرنا عوام کی حق تلفی اور دھوکہ دہی کے زمرے میں آنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ تاہم چوری کی بجلی سے حاصل شدہ پانی حرام یا نجس نہیں اس لیے اس سے وضو ہو جاتا ہے، اسی طرح اس سے استری شدہ کپڑے پہننا، اور اس سے پکایا ہوا کھانا کھانا حلال ہے۔

ماں جی (افسانہ)

(تیسری و آخر قسط) قدرت اللہ شہاب

کہانی کی کہانی

اڑتے اڑتے یہ خبر سرسید کے کانوں میں پڑ گئی جو اس وقت علی گڑھ مسلم کالج کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ انہوں نے اپنا خاص منشی گاؤں میں بھیجا اور عبداللہ صاحب کو وظیفہ دے کر علی گڑھ بلا لیا۔ یہاں پر عبداللہ صاحب نے خوب بڑھ چڑھ کر اپنا رنگ نکالا اور بی اے کرنے کے بعد انیس برس کی عمر میں وہیں پر انگریزی، عربی، فلسفہ اور حساب کے لیکچرر ہو گئے۔ سرسید کو اس بات کی دھن تھی کہ مسلمان نوجوان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اعلیٰ ملازمتوں پر جائیں۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ صاحب کو سرکاری وظیفہ دلوایا تاکہ وہ انگلستان میں جا کر آئی سی ایس کے امتحان میں شریک ہوں۔ پچھلی صدی کے بڑے بوڑھے سات سمندر پار کے سفر کو بلائے ناگہانی سمجھتے تھے۔ عبداللہ صاحب کی والدہ نے بیٹے کو ولایت جانے سے منع کر دیا۔ عبداللہ صاحب کی سعادت مندی آڑے آئی اور انہوں نے وظیفہ واپس کر دیا۔ اس حرکت پر سرسید کو بے حد غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا۔ انہوں نے لاکھ سمجھایا، بجھایا، ڈرایا، دھمکایا لیکن عبداللہ صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ''کیا تم اپنی بوڑھی ماں کو قوم کے مفاد پر ترجیح دیتے ہو؟'' سرسید نے کڑک کر پوچھا۔ ''جی ہاں'' عبداللہ صاحب نے جواب دیا۔ یہ ٹکا سا جواب سن کر سرسید آپے سے باہر ہو گئے۔

کمرے کا دروازہ بند کر کے پہلے انہوں نے عبداللہ صاحب کو لاتوں، مکوں، تھپڑوں اور جوتوں سے خوب پیٹا اور کالج کی نوکری سے برخواست کر کے یہ کہہ کر علی گڑھ سے نکال دیا ''اب تم ایسی جگہ جا کر مرو جہاں سے میں تمہارا نام بھی نہ سن سکوں۔'' عبداللہ صاحب جتنے سعادت مند بیٹے تھے، اتنے ہی سعادت مند شاگرد بھی تھے۔ نقشے پر انہیں سب سے دور افتادہ اور دشوار گزار مقام گلگت نظر آیا۔ چنانچہ وہ ناک کی سیدھ میں گلگت پہنچے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کی گورنری کے عہدے پر فائز ہو گئے۔

جن دنوں ماں جی کی منگنی کی فکر ہو رہی تھی انہی دنوں عبداللہ صاحب بھی چھٹی پر گاؤں آئے ہوئے تھے۔ قسمت میں دونوں کا سنجوگ لکھا ہوا تھا۔ ان کی منگنی ہو گئی اور ایک ماہ بعد شادی بھی ٹھہر گئی، تاکہ عبداللہ صاحب دلہن کو اپنے ساتھ گلگت لے جائیں۔ منگنی کے بعد ایک روز ماں جی اپنی سہیلیوں کے ساتھ پاس والے گاؤں میں میلہ دیکھنے گئی ہوئی تھیں۔ اتفاقاً یا شاید دانستہ عبداللہ صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ ماں جی کی سہیلیوں نے انہیں گھیر لیا اور ہر ایک نے چھیڑ چھیڑ کر ان سے پانچ پانچ روپے وصول کر لئے۔ عبداللہ صاحب نے ماں جی کو بھی بہت سے روپے پیش کئے کئے لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ بہت اصرار بڑھ گیا تو مجبوراً ماں جی نے گیارہ پیسے کی فرمائش کی۔ ''اتنے بڑے میلے میں گیارہ پیسے لے کر کیا کرو گی'' عبداللہ صاحب نے پوچھا۔ اگلی جمعرات کو آپ کے نام سے مسجد میں تیل ڈال دوں گی۔ ماں جی نے جواب دیا۔ زندگی کے میلے میں بھی عبداللہ صاحب کے ساتھ ماں جی کا لین دین صرف

جمعرات کے گیارہ پیسوں تک ہی محدود رہا۔ اس سے زیادہ رقم نہ کبھی انہوں نے مانگی نہ اپنے پاس رکھی۔

گلگت میں عبداللہ صاحب کی بڑی شان و شوکت تھی۔ خوبصورت بنگلہ، وسیع باغ، نوکر چاکر، دروازے پر سپاہیوں کا پہرہ۔ جب عبداللہ صاحب دورے پر باہر جاتے تھے یا واپس آتے تھے تو سات توپوں کی سلامی دی جاتی تھی۔ یوں بھی گلگت کا گورنر خاص سیاسی انتظامی اور سماجی اقتدار کا حامل تھا، لیکن ماں جی پر اس سارے جاہ و جلال کا ذرہ بھی اثر نہ ہوا۔ کسی قسم کا چھوٹا بڑا ماحول ان پر اثر انداز نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ماں جی کی اپنی سادگی اور خود اعتمادی ہر ماحول پر خاموشی سے چھا جاتی تھی۔

ان دنوں سر مالکم ہیلی حکومتِ برطانیہ کی طرف سے گلگت کی روسی اور چینی سرحدوں پر پولیٹیکل ایجنٹ کے طور پر مامور تھے۔ ایک روز لیڈی ہیلی اور ان کی بیٹی ماں جی سے ملنے آئیں۔ انہوں نے فراک پہنے ہوئے تھے اور پنڈلیاں کھلی تھیں۔ یہ بے حجابی ماں جی کو پسند نہ آئی۔ انہوں نے لیڈی ہیلی سے کہا، ''تمہاری عمر تو جیسے گزرنی تھی گزر رہی گئی ہے۔ اب آپ اپنی بیٹی کی عاقبت تو خراب نہ کرو۔'' یہ کہہ کر انہوں نے مس ہیلی کو اپنے پاس رکھ لیا اور چند مہینوں میں اسے کھانا پکانا، سینا پرونا، برتن مانجھنا، کپڑے دھونا سکھا کر ماں باپ کے پاس واپس بھیج دیا۔ جب روس میں انقلاب برپا ہوا تو لارڈ کچنر سرحدوں کا معائنہ کرنے گلگت آئے۔ ان کے اعزاز میں گورنر کی طرف سے ضیافت کا اہتمام ہوا۔

ماں جی نے اپنے ہاتھ سے دس بارہ قسم کے کھانے پکائے۔ کھانے لذیذ تھے۔ لارڈ کچنر نے اپنی تقریر میں کہا ''مسٹر گورنر، جس خانساماں نے یہ کھانے پکائے ہیں، براہِ مہربانی میری طرف سے آپ ان کے ہاتھ چوم لیں۔'' دعوت کے بعد عبداللہ صاحب فرحاں و شاداں گھر لوٹے تو دیکھا کہ ماں جی باورچی خانے کے ایک کونے میں چٹائی پر بیٹھی نمک اور مرچ کی چٹنی کے ساتھ مکئی کی روٹی کھا رہی ہیں۔ ایک اچھے گورنر کی طرح عبداللہ صاحب نے ماں جی کے ہاتھ چومے اور کہا، ''اگر لارڈ کچنر یہ فرمائش کرتا کہ وہ خود خانساماں کے ہاتھ چومنا چاہتا ہے تو پھر تم کیا کرتیں؟'' ''میں'' ماں جی تنک کر بولیں۔ ''میں اس کی مونچھیں پکڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیتی۔ پھر آپ کیا کرتے؟'' ''میں'' عبداللہ صاحب نے ڈرامہ کیا۔ ''میں ان مونچھوں کو روئی میں لپیٹ کر وائسرائے کے پاس بھیج دیتا اور تمہیں ساتھ لے کر کہیں اور بھاگ جاتا، جیسے سرسید کے ہاں سے بھاگا تھا۔'' ماں جی پر ان مکالموں کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا، لیکن ایک بار ماں جی رشک و حسد کی اس آگ میں جل بھن کر کباب ہو گئیں جو ہر عورت کا ازلی ورثہ ہے۔

گلگت میں ہر قسم کے احکامات ''گورنری'' کے نام پر جاری ہوتے تھے۔ جب یہ چرچا ماں جی تک پہنچا تو انہوں نے عبد اللہ صاحب سے گلہ کیا۔ ''بھلا حکومت تو آپ کرتے ہیں لیکن گورنری گورنری کہہ کر مجھ غریب کا نام بیچ میں کیوں لایا جاتا ہے خواہ مخواہ!'' عبداللہ صاحب علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تھے۔ رگِ ظرافت پھڑک اٹھی اور بے اعتنائی سے فرمایا۔ بھاگوان یہ تمہارا نام تھوڑا ہے۔ گورنری تو دراصل تمہاری سوتن ہے جو دن رات میرا پیچھا کرتی رہتی ہے۔'' مذاق کی چوٹ تھی۔ عبداللہ صاحب نے سمجھا بات آئی گئی ہو گئی، لیکن ماں جی کے دل میں غم بیٹھ گیا۔ اس غم میں وہ اندر ہی اندر کڑھنے لگیں۔ کچھ عرصہ کے بعد کشمیر کا مہاراجہ پرتاب سنگھ اپنی مہارانی کے ساتھ گلگت کے دورے پر آیا۔ ماں جی نے مہارانی سے اپنے دل کا حال سنایا۔ مہارانی بھی سادہ عورت تھی۔ جلال میں آ گئی ''ہائے ہائے ہمارے راج میں ایسا ظلم۔ میں آج ہی مہاراج سے کہوں گی کہ وہ عبداللہ صاحب کی خبر لیں۔''

جب یہ مقدمہ مہاراجہ پرتاب سنگھ تک پہنچا تو انہوں نے عبداللہ صاحب کو بلا کر پوچھ گچھ کی۔ عبداللہ صاحب بھی حیران تھے کہ بیٹھے بٹھائے یہ کیا افتاد آپڑی، لیکن جب معاملے کی تہہ تک پہنچے تو دونوں خوب ہنسے۔ آدمی دونوں ہی وضعدار تھے۔ چنانچہ مہاراجہ نے حکم نکالا کہ آئندہ سے گلگت کی گورنری کو وزارت اور گورنر کو وزیر وزارت کے نام سے پکارا جائے۔ 1947ء کی جنگ آزادی تک گلگت میں یہی سرکاری اصطلاحات رائج تھیں۔ یہ حکم نامہ سن کر مہارانی نے ماں جی کو بلا کر خوشخبری سنائی کہ مہاراج نے گورنری کو دیس نکالا دے دیا ہے۔

''اب تم دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو۔'' مہارانی نے کہا۔ ''کبھی ہمارے لئے بھی دعا کرنا۔'' مہاراجہ اور مہارانی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے وہ اکثر ماں جی سے دعا کی فرمائش کرتے تھے۔ اولاد کے معاملے میں ماں جی کیا واقعی خوش نصیب تھیں؟ یہ ایک ایسا سوالیہ نشان ہے جس کا جواب آسانی سے نہیں سوجھتا۔ ماں جی خود ہی تو کہا کرتی تھیں کہ ان جیسی خوش نصیب ماں دنیا میں کم ہی ہوتی ہے لیکن اگر صبر و شکر، تسلیم و رضا کی عینک اتار کر دیکھا جائے، تو اس خوش نصیب کے پردے میں کتنے دکھ، کتنے غم، کتنے صدمے نظر آتے ہیں۔ اللہ میاں نے ماں جی کو تین بیٹیاں اور تین بیٹے عطا کئے۔ دو بیٹیاں شادی کے کچھ عرصہ بعد یکے بعد دیگرے فوت ہوگئیں۔ سب سے بڑا بیٹا عین عالم شباب میں انگلستان جا کر گزر گیا۔ کہنے کو تو ماں جی نے کہہ دیا کہ اللہ کا مال تھا اللہ نے لے لیا، لیکن کیا وہ اکیلے میں چھپ چھپ کر خون کے آنسو رویا نہ کرتی ہوں گی۔

جب عبداللہ صاحب کا انتقال ہوا تو ان کی عمر باسٹھ سال اور ماں جی کی عمر پچپن سال تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ عبداللہ صاحب بان کی کھردری چارپائی پر حسب معمول گاؤ تکیہ لگا کر نیم دراز تھے۔ ماں جی پائنتی بیٹھی چاقو سے گنا چھیل چھیل کر ان کو دے رہی تھیں۔ وہ مزے مزے سے گنا چوس رہے تھے اور مذاق کر رہے تھے۔ پھر یکایک سنجیدہ ہوگئے اور کہنے لگے۔ ''بھاگوان شادی سے پہلے میلے میں میں نے تمہیں گیارہ پیسے دئے تھے کیا ان کو واپس کرنے کا وقت نہیں آیا؟'' ماں جی نے نئی دلہنوں کی طرح سر جھکا لیا اور گنا چھیلنے میں مصروف ہوگئیں۔ ان کے سینے میں بیک وقت بہت خیال امڈ آئے۔ ''ابھی وقت کہاں آیا ہے۔ سرتاج شادی کے پہلے گیارہ پیسوں کی تو بڑی بات ہے لیکن شادی کے بعد جس طرح تم نے میرے ساتھ نباہ کیا ہے اس پر میں نے تمہارے پاؤں دھو کر پینے ہیں۔ اپنی کھال کی جوتیاں تمہیں پہنانی ہیں۔ ابھی وقت کہاں آیا ہے میرے سرتاج۔'' لیکن قضا و قدر کے بہی کھاتے میں وقت آچکا تھا۔ جب ماں جی نے سر اٹھایا تو عبداللہ صاحب گنے کی قاش منہ میں لئے گاؤ تکیہ پر سو رہے تھے۔ ماں جی نے بہتیرا بلایا، ہلایا، چمکارا لیکن عبداللہ صاحب ایسی نیند سو گئے تھے جس سے بیداری قیامت سے پہلے ممکن ہی نہیں۔

ماں جی نے اپنے باقی ماندہ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کو سینے سے لگا لگا کر تلقین کی ''بچہ رونا مت۔ تمہارے ابا جی جس آرام سے سو رہے تھے، اسی آرام سے چلے گئے۔ اب رونا مت۔ ان کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔'' کہنے کو تو ماں جی نے کہہ دیا کہ اپنے ابا کی یاد میں نہ رونا، ورنہ ان کو تکلیف پہنچے گی، لیکن کیا وہ خود چوری چھپے اس خاوند کی یاد میں نہ روئی ہوں گی، جس نے باسٹھ سال کی عمر تک انہیں ایک الہڑ دلہن سمجھا اور جس نے گورنری کے علاوہ اور کوئی سوکن اس کے سر پر لا کر نہیں بٹھائی۔

(بقیہ صفحہ: ۲۴ پر)

طب وصحت

زیتون کے فوائد

ادارہ

حضرت اسید الانصاری رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، زیتون کے تیل کو کھاؤ اور اس سے جسم کی مالش کرو کہ یہ ایک مبارک درخت سے ہے۔(ترمذی۔ابن ماجہ۔دارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے لگاؤ کیونکہ یہ پاک اور مبارک ہے۔"(ابن ماجہ۔حاکم)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم ذات الجنب کا علاج قسط البحری اور زیتون کے تیل سے کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں کہ تاجدار انبیاء صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے لگاؤ کیونکہ اس میں ستر بیماریوں سے شفا ہے جن میں ایک کوڑھ بھی ہے۔"

زیتون کا درخت تین میٹر کے قریب اونچا ہوتا ہے۔ چمکدار پتوں کے علاوہ اس میں بیر کی شکل کا ایک پھل لگتا ہے جس کا رنگ اودا اور جامنی ذائقہ بظاہر کسیلا اور چمکدار ہوتا ہے۔ مفسرین کی تحقیقات کے مطابق زیتون کا درخت تاریخ کا قدیم ترین پودا ہے۔طوفان نوح کے اختتام پر پانی اترنے کے بعد زمین پر سب سے پہلی جو چیز نمایاں ہوئی، وہ زیتون کا درخت تھا۔اس پس منظر کی بدولت زیتون کا درخت سیاست میں امن اور سلامتی کا نشان بن گیا ہے۔

زیتون کا پھل غذائیت سے بھرپور ہے، مگر اپنے ذائقہ کی وجہ سے پھل کی صورت میں زیادہ مقبول نہیں۔اس کے باوجود مشرق وسطی، اٹلی، یونان اور ترکی میں بہت لوگ یہ پھل خالص صورت میں اور یورپ میں اس کا اچار بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ یونان سے زیتون کا اچار سرکہ میں آتا ہے اور مغربی ممالک میں بڑی مقبولیت رکھتا ہے۔

یہ درخت یورپی ممالک، اٹلی، کیلیفورنیا اور آسٹریلیا اور دیگر یورپی ممالک سے درآمد ہوتا ہے۔قرآن مجید نے زیتون اور اس کے تیل کا بار بار ذکر کر کے شہرت دوام عطا کردی ہے۔سورہ الانعام، سورہ النحل، سورہ النور، سورہ المومنون، سورہ التین، ان سورتوں میں اللہ تعالی نے زیتون کے درخت کو ایک مبارک یعنی برکت والا درخت قرار دیا۔اس کے پھل کو اہمیت عطا فرمائی۔ پھر لوگوں کو متوجہ کیا کہ زیتون، کھجور، انار اور انگور میں فوائد کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ بشرطیکہ تم ان کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرو۔

زیتون ایک درخت ہے جس کا پھل زیتونہ کہلاتا ہے اُس پھل سے جو تیل حاصل کیا جاتا ہے اُسے روغنِ زیتون کہا جاتا ہے۔ زیتون اور روغنِ زیتون کے بے شمار خواص اور فوائد ہیں۔

روغنِ زیتون سب سے زیادہ پیٹ کے امراض کے لئے مفید اور شافی ہوتا ہے۔ یہ بدن کو گرم کرتا ہے، پتھری کو توڑ کر نکالتا ہے اور قبض کشا بھی ہے۔ معدے کے افعال کو درست کر کے روغنِ زیتون بھوک کو بڑھاتا ہے اور آنتوں میں پڑے ہوئے سدے بھی کھول دیتا ہے۔ پتے کی پتھری بھی روغنِ زیتون کے استعمال سے ٹوٹ کر خارج ہو جاتی ہے۔

زیتون کا تیل اگر تھوڑی مقدار میں دودھ کے ساتھ ملا کر پئیں تو اس سے بتدریج السر سے مکمل طور پر نجات مل جاتی ہے اور معدے کی تیزابیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دائمی اور پرانے قبض کو ختم کرنے کے لئے ایک تولہ روغنِ زیتون کو جو کے گرم پانی میں ڈال کر پئیں تو دو تین دن کے اندر قبض سے نجات مل جاتی ہے۔

پیٹ کے اندر اگر فاسد مادے پیدا ہو چکے ہوں یا پیٹ میں کوئی زہریلی شئے چلی جائے تو اُس کا اثر زائل کرنے کی خاطر زیتون کا تیل ہی سب سے موثر اور اکسیر تریاق ہوگا۔ زیتون کے تیل کو کسی نہ کسی صورت میں جو لوگ کھاتے رہتے ہیں وہ کبھی آنتوں اور پیٹ کے سرطان کا شکار نہیں ہو سکتے۔

تپِ دق جیسے موذی مرض کا علاج بھی بذریعہ روغنِ زیتون شافی انداز میں کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہر روز تین اونس روغنِ زیتون براہِ راست یا دودھ میں ملا کر پینا ضروری ہوتا ہے۔ یہ عمل تقریباً دو ماہ تک جاری رکھیں تو اس مرض سے مستقل طور پر نجات مل جاتی ہے۔

روغنِ زیتون کو دمہ کے مرض سے بچنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے شہد اور زیتون کے تیل کو برابر وزن کے ساتھ گرم پانی میں ملا کر پینا چاہیے۔ مستقل استعمال سے دمہ ختم ہو جاتا ہے۔ نزلہ زکام اور کھانسی بھی مستقل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ زیتون کا تیل پسینہ خارج کرنے کا موجب بنتا ہے۔ جسمانی اعضاء کو قوت اور توانائی بخشتا ہے۔

زیتون کے تیل کو جلد کی متعدد بیماریوں کے علاج کے لئے مجرد حالت میں یا مرہم میں شامل کر کے اکسیر بنایا جا سکتا ہے۔ یہ جلد کے تمام بیرونی عوارض میں مفید ہوتا ہے۔ آگ کے جلنے سے بنے ہوئے زخموں، پھوڑے پھنسیوں داد اور عام زخم کے علاج کے لئے بھی زیتون کا تیل لگانا فائدہ مند ہوتا ہے۔ زیتون کی مسلسل مالش سے چیچک اور زخم کے داغ دھبے ختم ہو جاتے ہیں۔

جامعۃ السعادہ واسعاد البنات کیرانہ

شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کرپاتے ہیں۔جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴؍شعبے قائم ہیں۔طلبہ کی ایک کثیر تعداد دار الاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ باضابطہ طور پر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دار العلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ انگلش میڈیم اسکول کے تحت درجہ پانچ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعاد البنات'' قائم ہے۔اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ، خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی باضابطہ طور پر ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد عرفان ثاقب قاسمی

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔یوپی 247774

رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

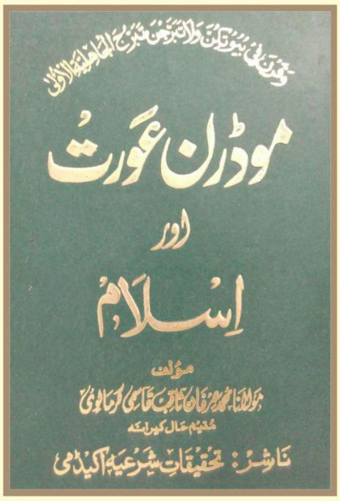

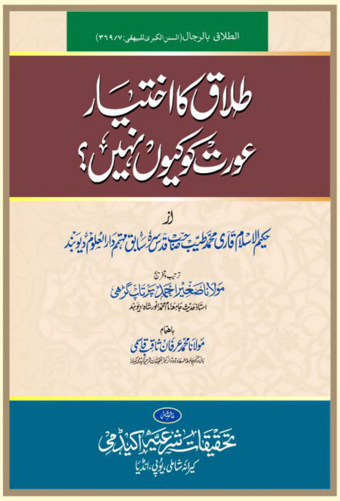

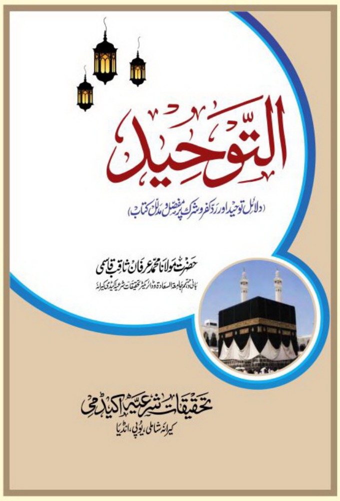

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768